اعتبار کچھ رشتوں کا

سعدیہ عابد

اعتبار کچھ رشتوں کا

سعدیہ عابد

''خدیج! پلیز جانے دیجئے ناں۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی لیکن ان کی تیز نظر سے خائف ہوتی مزید کچھ نہ کہہ سکی تھی اور بے توجہی سے پلیٹ میں چمچہ گھمانے لگی تھی۔

''ونی! کھانا کھائیے۔'' وہ اس کی بے توجہی محسوس کرتے ہوئے اسے ٹوک گئے تھے۔

''ہمیں بھوک نہیں ہے۔'' ان کے کہنے کا الٹا ہی اثر ہوا تھا اور اس نے پلیٹ ہی کھسکا دی تھی۔

''آپ سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ناراضگی کا اظہار کھانے کے سامنے بیٹھ کر نہ کیا کریں۔'' ان کے لہجے کی درشتگی اس کی آنکھیں نم کر گئی تھیں۔

''شینا! ہماری دوست ہیں خدیج اور ہم کیا اپنی دوست کی سالگرہ تک میں نہیں جا سکتے۔'' بھیگے لہجے میں واضح شکوہ کیا گیا تھا۔

''نہیں، کہ آپ جا سکتی ہوتیں تو ہم جانے دیتے یوں آپ کو ہم سے بحث نہیں کرنا پڑتی، یہ جاننے کے باوجود کہ ہمیں بحث پسند نہیں ہے۔'' وہ قدرے ناگواری سے کہہ رہے تھے۔

''ہم بحث نہیں کر رہے خدیج، کہ بس ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں جانے کی اجازت دے دیں۔'' وہ کرسی کھسکا کر اٹھ گئے تھے مگر اس کی اگلی بات نے ان کے قدم روکے تھے اور وہ اس کے بھیگے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

''ہم مناسب نہیں سمجھتے اگر مناسب سمجھتے تو اجازت دے دیتے اس لئے بہتر ہوگا کہ یہ ذکر آپ دوبارہ نہ کریں۔'' وہ بات مکمل کر کے نکل گئے تھے جبکہ اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

''اماں بی! خدیج کی کڑی نگاہیں، سخت لہجہ اور بے جا پابندیاں کسی دن ہماری جان لے لیں

مکمل ناول

گی۔" وہ اماں بی کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتی روتے ہوئے بولی تھی۔

"بیٹا! خیر کی بات منہ سے نکالتے ہیں۔" وہ تاسف سے بولی تھیں کہ اس کا رونا ان کو تکلیف دے رہا تھا۔

"دیکھ لیجئے گا، ایسا ہی ہوگا۔" وہ غصہ میں وثوق سے کہتی انہیں پریشان چھوڑ کر نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

"ونی! نے کھانا کھالیا؟" اماں بی کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کوشش تو کرتیں اماں بی۔" ان کا ناں میں جواب انہیں مضطرب کر گیا تھا۔

"کی تھی خدیج بابا! لیکن بیٹا دودھ تک لینے کے لئے راضی نہ ہوئیں کہ وہ تو اس وقت سے بس روئے جارہی ہیں۔" اماں بی کی بتائی ہوئی تفصیل ان کے اضطراب کو کئی گنا بڑھا گئی تھی۔

"آپ کھانا گرم کر کے ونی کے لئے لے کر چلیے، ہم آرہے ہیں۔" چائے کا مگ ٹیبل پر منتقل کیا اور لیپ ٹاپ سائیڈ میں کرتے بیڈ سے اتر گئے۔

"ونی! ہم آپ کو ایسی جگہ جانے نہیں دے سکتے جہاں سب آپ کے لئے اجنبی ہوں گے۔" وہ رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ لگی چیئر کھسکا کر بیٹھتے انتہائی نرم لہجے میں بولے تھے کہ وہ کافی زیادہ رو چکی تھی اس کا چہرہ متورم اور آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں اور اسے یوں دیکھنا ان کے لئے ہمیشہ ہی تکلیف کا باعث ہوتا تھا اس وقت بھی وہ دکھ تاسف میں مبتلا ہو گئے تھے۔

"ہمارے لئے تو پورا ہی جہان اجنبی ہے۔" اس کی غیر متوقع بات پر ان کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا تھا۔

"اور ہم ساری عمر لوگوں کی بھیڑ و دنیا کے میلے میں بھی ہر ایک کے لئے اجنبی ہی رہیں گے کہ اجنبیت کی دیواریں میل ملاپ سے گرتی ہیں اور آپ کی قید میں رہ کر یہ ممکن نہیں کہ ہم لوگوں سے مل کر اجنبیت دور کریں، روابط و شناسیاں بڑھائیں۔" وہ دونوں ہی بے اختیار سا اسے دیکھنے لگے تھے کہ اس کے الفاظ ہی نہیں لہجہ بھی نظر انداز کرنے والا نہ تھا وہ بھی اس صورت میں کہ شکوہ اس کے لبوں سے پہلی دفعہ ادا ہوا تھا اور چہرے پر بدگمانی کی لکیریں سی بنیں تھیں۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" اندر کی الجھن لہجے سے قدرے عیاں ہو گئی تھی۔

"وہی جو آپ سمجھنا نہیں چاہتے۔" ناراضگی سے ان کے خوبرو چہرے کو دیکھا تھا۔

"آپ سمجھائیں گی تو ہم سمجھ جائیں گے، کہیے جو کہنا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

"ہم نے کبھی کوئی ضد تو کیا کبھی کوئی فرمائش تک نہیں کی، آپ نے جیسے کہا ویسے کرتے چلے گئے۔" وہ سوں سوں کرتے کہہ رہی تھی وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مگر اب ہم کوئی چھوٹی بچی تو نہیں رہے ناں کہ آپ ہمیں اپنی انگلی کے اشارے پر چلاتے رہیں، ہم بڑے ہو گئے ہیں آپ اب تو ہمیں کم از کم اتنی آزادی تو دیں کہ ہم کچھ کہہ سکیں، دوست کے گھر جا سکیں۔" وہ مزید کہتی کہ ان کی تیز نظر سے خائف ہوتی چپ کر گئی تھی اور وہ کچھ کہے بغیر بڑی تیزی سے وہاں سے نکل گئے تھے جبکہ اماں بی کچھ سوچنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"آپ سچ کہہ رہے ہیں خدیج! ہم واقعی اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں جا سکتے ہیں۔" انہوں نے اسے اجازت کیا دی تھی بے

یقین کر ڈالا تھا مگر انہوں نے سنجیدگی سے اپنی بات دہرائی تھی اور اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''تھینک یو سو ویری مچ۔'' وہ بچوں کی طرح پرجوش سی بولی تھی اور وہ اس کو مسرور پا کر بے اطمینانی کے باوجود مسکرا دیئے تھے کہ ان کے لئے اس کی خوشی بہت معنی رکھتی تھی۔

''جب جانا ہو بتا دیجئے گا آپ کو اور اماں بی کو ہم چھوڑ آئیں گے۔'' سنجیدگی سے کہتے صوفے کی جانب بڑھے تھے کہ اس کی اگلی بات پر رک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

''ہمیں کل جانا ہے خدیج! بٹ ہمیں شینا کے لئے گفٹ بھی تو چاہیے ہوگا۔'' اس کی خوشی اس کے من موہنے شہابی رنگت والے چہرے سے ٹپکی جا رہی تھی کہ انہوں نے اسے ایک غیر متوقع آفر کر دی تھی اس کی ساگر سی آنکھوں میں بے یقینی اتری تھی اور انہوں نے گویا مسکرا کر اپنے فیصلے کی توثیق کی تھی وہ بے انتہا خوشی کے احساس میں گھرتی ان سے لپٹ گئی تھی۔

''تھینک یو سو مچ خدیج! آپ بہت اچھے ہیں۔'' اس کا لہجہ اس کی اندرونی مسرت سے کھنک رہا تھا جبکہ وہ اس کی حرکت پر لمحہ بھر کو ساکت ہوئے تھے اور دوسرے ہی پل اسے ایک جھٹکے سے خود سے دور دھکیل گئے تھے۔

''بی ہیو یور سیلف ہوینا بخاری۔'' وہ چیختے لہجے میں درشتگی سے بولے تھے وہ ساکت سی انہیں نم پلکوں سے دیکھنے لگی تھی جو اچانک ہی بہت اجنبی بن گئے تھے۔

''اپنے جذبات، اپنے احساسات کو قابو میں رکھنا سیکھیے ہوینا کہ آپ بچی نہیں رہیں۔'' ان کا بری طرح جھٹکنا، بری طرح ڈپٹنا اس کی حساس طبیعت پر چوٹ لگا گیا تھا، آنسو گرنے لگے تھے اور وہ شرمندگی سے منمنائی تھی۔

''سوری۔'' لیکن وہ اس کی معذرت سننے کو رکے نہیں بڑی تیزی سے ہال کمرہ عبور کر گئے تھے۔

☆☆☆

''ونی! ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں، ہمیں کل رات آپ کو اس بری طرح نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا۔'' رات بھر رونے اور جاگنے کے سبب وہ بخار میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کی سوجی آنکھیں دیکھ وہ تمام غصہ ہی بھلا بیٹھے تھے اور معافی طلب کرنے میں بھی دیر نہیں کی تھی۔

''ہمیں آپ کی معافی کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے رویے سے ہی ہم بہت کچھ سمجھ گئے ہیں، بہت برے لگتے ہیں ناں ہم آپ کو، تو پرامس خدیج اب ہم چھٹیوں میں بھی ہاسٹل سے گھر نہیں آیا کریں گے۔'' اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھیں جبکہ لہجہ ناراضگی وغصہ کا مظہر تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے ونی بیٹا! آپ اس طرح کیوں کہہ رہی ہیں۔'' اماں بی گداز دل کے ساتھ بیڈ پر اس کے برابر ٹک گئی تھیں۔

''ایسا ہی ہے اماں بی، کہ ہم خدیج کے لئے بوجھ بن گئے ہیں، یہ ہم سے پہلے کی طرح نرمی سے بات نہیں کرتے، ہر وقت ڈانٹتے، غصہ کرتے رہتے ہیں ہم نہ ان کے سامنے آئیں گے اور نہ ہی انہیں ہمیں دیکھ کر غصہ آئے گا، اس لئے ہم آج ہی ہاسٹل واپس چلے جائیں گے۔'' وہ جیسے سارے فیصلے از خود لے چکی تھی۔

''فضول بات کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ ہم آپ کو آپ کی غلطی پر سرزش کرنے کا مکمل حق رکھتے ہیں اور رات آپ کو اسی لئے ڈانٹا کہ آپ ہمیں غلطی پر لگی تھیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے اسے مزید کچھ کہنے سے ٹوک گئے تھے۔

''اور یاد رکھیئے گا کہ ہم آپ کی آزادی کے

خلاف نہ ہوتے ہوئے بھی بہت چاہ کر بھی آپ کو آزادی نہیں دے سکتے کیونکہ آپ ہماری ذمہ داری ہیں اور اسی لئے آپ کی بہتری کے خیال سے آپ کے لئے چند اصولوں وضوابط مقرر کیے ہیں کہ آپ کو کہیں بھی آنے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے آپ ہماری فکر کو غلط معنی پہنائیں تو یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ کی ناراضگی کے ڈر سے ہم اپنے اصول اور فکر کے زاویے نہیں بدل سکتے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا موقف بیان کرنے کے بعد اس کی بات یا موقف سننے کو رکے تک نہیں تھے اور وہ روتے ہوئے اماں بی سے ہزار شکوے کرنے لگی تھی اور وہ سمجھتی تھیں کہ اس کی بات پر شکوہ اتنا بھی بے معنی نہیں مگر وہ یہ خدیج بخاری کو نہیں سمجھا سکتی تھیں کہ وہ اپنے ہی خول میں سمٹے ایک خاموش طبیعت انسان تھے اور ان سے کچھ کہنے کی ان کی ہمت نہیں پڑتی تھی مگر کب تک وہ اپنے ذہن و دل کی بات و خواہش کو دبائے رکھتیں؟ ہوینا بخاری کی باتیں سن کر وہ خدیج بخاری سے بات کرنے کا فیصلہ کر چکیں تھیں۔

☆☆☆

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں بی۔'' وہ بتول بی کی بات سن کر بیٹھے سے کھڑے ہو گئے تھے ان کی آنکھوں میں بے یقینی اور لہجے میں لڑکھڑاہٹ سی تھی۔

''ایسا کچھ غلط نہیں کہا ہم نے کہ یقین کریں خدیجہ بیٹا حیات ہوتیں تو وہ بھی یہی فیصلہ لیتیں۔'' وہ ان کی حالت نظر انداز کیے اپنی بات پر زور ڈالنے کو ان کی ماں کا حوالہ دے گئی تھیں۔

''اماں بی! مت کہیں ایسا کچھ کہ ہم خود پر ضبط کھو دیں کہ ونی کے لئے ہم اس انداز سے سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ اماں بی کے احترام میں مٹھیاں بھینچے غصہ ضبط کرنے پر مجبور تھے۔

''خدیج بابا! آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر دیکھیں یہ ایکدم درست فیصلہ ہوگا۔'' وہ اب بھی نرمی سے ہی بولی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو اماں بی، ایک دفعہ کہہ دیا ہم نے کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے تو آپ کیوں خاموش نہیں ہو جاتیں۔'' وہ غصہ سے بھڑک کر بولے تھے وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں اور ان کے بوڑھے چہرے پر پھیلے تاریک سائے خدیج بخاری کے اعصاب ڈھیلے پڑتے چلے گئے تھے۔

''آئی ایم سوری اماں بی!'' وہ نہایت شرمندگی سے معذرت طلب کر رہے تھے۔

''معاف تو بابا آپ ہمیں کر دیں کہ ہمیں آپ سے اتنی بڑی بات کہنی ہی نہیں چاہیے تھی، گھر کی ملازمہ ہیں مگر اپنی حیثیت ہی بھول گئے تھے۔'' ان کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''خدارا اماں بی ایسے نہ کہیں، آپ کو اماں بی صرف زبان سے کہا ہی نہیں ہے ہم آپ کو ایک ماں کا درجہ دیتے ہیں۔'' وہ ان کے سامنے آتے ان کے ہاتھ تھام گئے تھے۔

''آپ سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہتے تھے مگر آپ کی بات پر ضبط کھو بیٹھے کہ ونی ہمارے لئے بہت قابل احترام ہیں ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے اماں بی، آپ کے احترام میں بھی آپ کے فیصلے کا احترام نہیں کر سکتے۔'' وہ اماں بی کے سامنے سے نکلتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

''آپ ہی بتائیے ناں خدیج کہ ہم شینا کے لئے آخر کیا لیں؟ کہ ہمیں تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا۔'' وہ پہلی دفعہ شاپنگ مال آئی تھی اور اسی لحاظ

سے پر جوش تھی مگر ساتھ ہی نروس بھی ہو رہی تھی ایک ایک چیز کو بچوں کی طرح اشتیاق سے دیکھ رہی تھی انہوں نے اس کے بے حد حسین چہرے پر جوش اور بوکھلاہٹ کا حسین امتزاج دیکھا تھا اور اس کو گائیڈ کرنے لگے تھے اور ان کی ہی مدد سے اس نے نہ صرف شینا کے لئے بلکہ اپنے اور اماں بی کے لئے بھی کافی کچھ خرید لیا تھا۔

''سوچ کیا رہے ہیں خدیجہ! ہمیں پیسے آپ نے ہی دینے ہیں۔'' لمبا چوڑا بل بنوا دینے کے بعد وہ ان سے مزید پانچ ہزار طلب کرتی انہیں حیران کر گئی تھی مگر اس کے نروٹھے پن سے کہنے پر انہوں نے اگلے ہی پل ایک لفظ کہے بنا اس کی مطلوبہ رقم اس کی جانب بڑھا دی تھی۔

''آپ یہیں ٹھہریئے ہم آتے ہیں۔'' وہ پانچ ہزار کا نوٹ مٹھی میں دبے دبے جوش سے دبائی دھیمے سے بولی تھی۔

''آپ اکیلے کیسے جائیں گی ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔'' اسے آگے بڑھتے دیکھ کر وہ اس کے ہم قدم ہوئے تھے کہ وہ رک گئی تھی۔

''خدیجہ! آپ پلیز یہیں رکیے ناں، ہم پانچ منٹ میں آ جائیں گے گوڈ پرامس۔'' اس کے چہرے پر تجسس سا تھا آنکھوں میں اشتیاق وہ الجھ گئے تھے جبکہ وہ انہیں حیران چھوڑ کر وال گلاس دھکیلتی شاپ میں داخل ہو گئی تھی اور وہ بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھے وہ تقریباً گیارہ منٹ بعد ایک بیگ کے ساتھ لوٹی تھی جسے لینے کو انہوں نے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''نہیں خدیجہ! یہ ہم خود پکڑیں گے۔'' وہ حیران تو ہوئے مگر اس کی رگ رگ سے واقف تھے لحہ کے ہزارویں حصے میں ساری صورتحال سمجھ گئے تھے اور اس کی خوشی میں خوش اسے شاپنگ کے بعد ڈنر کے لئے لے گئے تھے۔

☆☆☆

''اماں بی! آج ہم بہت خوش ہیں، دنیا اتنی خوبصورت ہے یہ احساس آج ہوا ہے ہمیں۔'' وہ اماں بی کے کاندھے تھامے کھنکتے لہجے میں بول رہی تھی۔

''آج ہم نے بہت زیادہ انجوائے کیا اور ہم نے خدیجہ کی آج اچھی خاصی جیب خالی کروا دی ہے۔'' وہ دھیمے سے ہنسی تھی ان دونوں نے ہی اس کی دائمی خوشیوں کی دعا دل ہی دل میں ڈالی تھی۔

''اچھی خاصی کیا مطلب؟''

''اماں بی! آپ کی وٹی بٹیا نے پورے اسی ہزار کی شاپنگ کی ہے ہمیں کنگال کر دیا ہے۔'' آج انہوں نے اس کا بہت پیارا روپ دیکھا تھا اور اس کی خوشی کو قائم رکھنے اور بڑھانے کو شرارت کا مظاہرہ کر گئے تھے۔

''ہم جانتے ہیں آپ اتنے غریب نہیں ہیں کہ اسی ہزار میں ہی کنگال ہو جائیں۔'' وہ اماں بی کے سامنے سے ہنتی یقین سے کہتی صوفے پر بیٹھ گئی تھی، اماں بی اور وہ مسکرا دیئے تھے، اماں بی کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا اور ان کی خواہش انہیں ستانے لگی تھی مگر ان کے رات کے ردعمل کے ذہن میں آتے ہی وہ اپنا دل محسوس کر رہ گئی تھی۔

''وہ تو ہم کچھ تھک گئے تھے اس لئے صرف اسی ہزار کی شاپنگ کی ورنہ ہمارے ارادے تو آج بڑے ہی خطرناک تھے۔'' وہ مزے سے ڈرانے والے انداز میں کہہ رہی تھی اور اپنی شرارت پر خود ہی کھلکھلائی تھی ان دونوں نے ہی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی تھی کہ مبادا ان میں سے کسی کی نظر نہ لگ جائے، اماں بی کچن میں جانے لگی تھیں مگر اس کے بلانے پر صوفے پر آ

بیٹھی تھیں اور وہ اپنی شاپنگ انہیں دکھانے لگی تھی۔

''اماں بی ہم نے فرسٹ ٹائم اپنی پسند سے آپ کے لئے کچھ لیا ہے بتایئے نہ آپ کو کیسا لگا۔'' اس کی آنکھوں میں الجھن سی در آئی تھی جو ان کے تعریف کرنے پر دور ہو گئی تھی اور وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگے تھے کہ وہ ان کے سامنے آ گئی تھی۔

''خدیج! یہ آپ کے لئے۔'' وہ بیگ جو وہ پورے راستے بہت حفاظت سے سنبھالتی آئی تھی اس نے وہ خدیج کی جانب بڑھایا تھا جسے وہ مسکرا کر تھامتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔

''خدیج! ہمارے سامنے کھول کر دیکھیے۔'' وہ آواز پر رکے اور صوفے پر بیٹھ گئے، وہ انہیں قدرے نروس ہو کر آس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی پسند اتنی اچھی ہو گی۔'' بلیک کلر کی گرے ڈاٹس والی ٹائی کو وہ ستائش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولے تھے۔

''آپ کو سچ میں اچھی لگی ہے ناں، کہیں ہمارا دل رکھنے کو تو نہیں کہہ رہے۔'' وہ اب بھی نروس تھی وہ مسکرا دیئے تھے۔

''آپ کا دل نہیں رکھ رہے، یہ واقعی بہت اچھی ہے۔'' انہوں نے سچائی سے اس کی پسند کو سراہا تھا۔

''تھینک گاڈ، یہ آپ کو پسند آ گئی ورنہ ہم تو ڈر رہے تھے کہ نہ جانے آپ کو یہ پسند بھی آئے گی کہ نہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''یہ ہمیں بہت پسند آئی ہے اور اسے ہم ہمیشہ سنبھال کر رکھیں گے کیونکہ یہ ہمارے لئے بہت اہم ہے کیونکہ یہ ہمیں ہماری ونی نے بہت خلوص کے ساتھ گفٹ کی ہے۔'' وہ خلوص دل سے بولے تھے اور یکدم اسے اپنا گزشتہ رویہ یاد آیا تھا اور وہ بلا توقف ان سے معافی طلب کر گئی تھی۔

''آئی ایم سوری خدیج! اس وقت ہمیں پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا کہ ہم آپ سے اتنی بدتمیزی کر گئے۔'' اس کے من موہنے چہرے پر شرمندگی نے پنجے گاڑ دیئے تھے۔

''اٹس او کے بس اتنا یاد رکھیئے گا کہ آپ ہمارے لئے بہت اہم ہیں اور آپ کی پرواہ کے خیال سے آپ کی حفاظت کی نیت سے ہم نے آپ پر کچھ پابندیاں لگا دیں اور چونکہ ماں جی کی زندگی دیکھ چکے تھے اس لئے کبھی خیال ہی نہیں گزرا کہ آپ کو بدلتے حالات اور تقاضوں کے سبب تبدیلی کی آزادی کی ضرورت ہو گی۔'' وہ نرمی سے اپنا موقف کہہ رہے تھے۔

''ہمیں کبھی خود سے آزادی کا خیال نہیں آیا تھا مگر شینا نے ہمیں بار بار احساس دلایا کہ ہم ایک ابنارمل زندگی گزار رہے ہیں، ہماری زندگی میں بہت کچھ مسنگ ہے، بس اسی سب کے پیش نظر ہم اس طرح سوچنے اور کہنے پر مجبور ہو گئے، مگر یقین کریں ہمیں آپ کی کسی بات سے کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے لیکن......'' وہ بھیگے لہجے میں کہتی یکدم رک گئی تھی۔

''آپ کا رویہ ہمیں بہت تکلیف دیتا ہے آپ ہر بات سختی سے منع کر دیتے ہیں جبکہ آپ نرمی سے بھی تو ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔'' وہ جھکا سر اٹھا کر یکدم ہی اس کے آنسوؤں سے بھیگتے چہرے کو دیکھنے لگے تھے۔

''آپ نہیں جانتے خدیج! کہ آپ کا سرد لہجہ، بے تاثر آنکھیں اور یہاں تک کہ آپ کی خاموشی بھی ہماری ہمت توڑ دیتی ہے، آپ نے

کیوں دھیرے دھیرے ہم سے اتنے فاصلے بڑھا لئے ہیں؟" وہ اب رونے لگی تھی۔
"ونی! ہم نے آپ سے فاصلے نہیں بڑھائے بس رشتے کی حقیقت ونزاکت کے پیش نظر محتاط ہو گئے اور چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیں۔" وہ کافی دیر کی خاموشی کے بعد بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تھے اور وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے جبکہ وہ ان کی بات پر غور کرتی خاموش بیٹھی رہ گئی تھی کہ اسے اختلاف تھا بھی تو کہہ نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

خدیج بخاری کا ذہن بری طرح منتشر تھا اور وہ ہونیا بخاری کی باتوں اور اپنے رویے کو سوچتے وہ ماضی میں اترتے چلے گئے تھے۔
معارج بخاری کا تعلق سید گھرانے سے تھا وہ دو بھائی تھے، معارج بڑے تھے اور ان سے چھوٹے اریج بخاری تھے، معارج بخاری کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جہاں پردے کا خصوصی خیال رکھا جاتا تھا ان کے ہاں کی خواتین شرعی پردہ کرتی تھیں اور بہت ضرورت کے وقت گھر سے نکلا کرتی تھیں، معارج بخاری کی شادی تایا زاد خدیجہ سے ہوئی تھی جو حصول علم کے علاوہ کسی فضول کام کے لئے گھر سے نہیں نکلی تھی، خدیجہ نے بی اے کیا تھا، شادی کے دو سال بعد ان کی زندگی میں خدیج بخاری کی آمد نے گویا خوشگوار سی ہلچل مچادی تھی، ننھے خدیج کی قلقاریوں سے ہر وقت "سید محل" گونجتا رہتا تھا کہ یکدم فضا مکدر سی ہوگئی اریج بخاری کی خواہش نے سید محل میں سرد سی فضا پیدا کردی تھی کیونکہ اریج اپنی پھپھی زاد سے منسوب تھے لیکن وہ اپنی کلاس فیلو الوینا شاہ سے شادی کرنا چاہتے تھے جو پنجابی فیملی سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اریج بخاری کی شادی کے سب سے بڑے مخالف تھے مگر اریج بخاری نے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور الوینا شاہ سے کورٹ میرج کرلی لیکن جس دن وہ الوینا شاہ کو الوینا بخاری بنا کر سید محل میں لے کر آئے، سید محل پر ایک طوفان ٹوٹا ہوا تھا، معارج بخاری بلوچستان کے دو قبیلوں کی آپسی جنگ کی اندھی گولی کا شکار ہو کر چہیتی بیوی اور دو سالہ خدیج بخاری کو یتیمی کا دکھ دیتے دنیا سے چلے گئے تھے، بڑے بیٹے کی موت کا صدمہ ایسا تھا کہ عارج بخاری کو جیتے جی مار گیا تھا اور معارج بخاری کا جانا ایسا صدمہ تھا کہ زندگی کا ہر سکھ اور دکھ اس کے آگے کچھ بھی نہ تھا اس لئے الوینا بخاری کو نہ اچھا کہا گیا اور نہ ہی برا اور انہیں بہت خاموشی سے قبول کرلیا گیا لیکن آزاد ماحول کی پروردہ الوینا چند ماہ میں ہی گھبرا گئیں اور انہوں نے کراچی جہاں ان کا میکہ تھا وہاں جا کر رہنے کی فرمائش کر دی، جو اریج بخاری نے رد کر دی کیونکہ وہ اپنے باپ کو مزید دکھی نہیں کر سکتے تھے، ایسے میں الوینا کے جذبات سرد پڑنے لگے اور ان کے اور اریج بخاری کے درمیان کے جھگڑے روز کا معمول بن گئے، عارج بخاری ایک بیٹا موت کے ہاتھوں کھو چکے تھے دوسرے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ بیمار رہنے لگے تھے اور اسی سرد ماحول میں انہوں نے بیٹے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنی ایک خواہش کا اظہار کر دیا اور وہ جو اپنی ذات سے اپنے باپ کو پہلے ہی بہت تکلیف پہنچا چکے تھے مزید حوصلہ نہ ہوا اور انہوں نے باپ کے جڑے ہاتھوں کی عزت رکھ لی جبکہ ایسا کرتے ہوئے نہ دماغ راضی تھا اور نہ دل اور جب الوینا کو اریج بخاری اور خدیجہ بخاری کے نکاح کا علم ہوا تھا انہوں نے زمین آسمان ایک کر ڈالے تھے ان کا اور اریج بخاری کا زبردست قسم کا جھگڑا ہوا تھا اور

وہ لڑ جھگڑ کر میکے سدھار گئی تھیں اور اریج بخاری کی لاکھ منتوں محبت سے مجبور کرنے کے باوجود وہ لوٹ کر نہیں آئی تھیں، خدیجہ کے لئے شوہر کی موت کا صدمہ جھیلنا ہی مشکل تھا کہ عارج بخاری کے مجبور کرنے پر وہ اریج بخاری سے شادی کر گئی تھیں، لیکن جب الوینا انہیں چھوڑ گئیں تو وہ بے سکون ہو کر رہ گئی تھیں، اریج بخاری کی خاموشی ان کی اداس صورت انہیں بے چین کرتی تھی اور وہ ان کے غم میں گھلتے گھلتے کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر سات سالہ خدیج بخاری کو روتا چھوڑ کر دنیا سے چلی گئی تھیں، خدیجہ بخاری کی موت کے بعد وہ الوینا بخاری کو واپس لانے کی کوشش میں لگ گئے تھے اور انہوں نے واپسی کی ایک شرط رکھ دی تھی جسے انہوں نے مان لیا تھا کہ وہ ایک کے بعد ایک اپنے کی موت کے صدمے سے دوچار اب کسی کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے اسی لئے وہ بیوی کی بات مان کر ہمیشہ کے لئے کراچی شفٹ ہو گئے تھے، خدیج ان کی نظروں میں بری طرح کھٹکتا تھا وہ اس سے بہت بری طرح پیش آتی تھیں، ماں سے دوری کے بعد چاچی کا اتنا برا رویہ اس کے دل کو چوٹ لگاتا اس کی شخصیت کو مسخ کرتا جا رہا تھا اور یونہی تین سال گزر گئے تھے مگر وہ تا حال اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور یہی محرومی دھیرے دھیرے الوینا بخاری کے دل میں خدیج بخاری کے لئے محبت جگا گی، چاچی کا اپنائیت بھرا رویہ پا کر خدیج بخاری خوش رہنے لگا تھا اور اس کی سترہویں سالگرہ ہر سال کی طرح بہت دھوم دھام سے منائی گئی تھی اور شادی کے پندرہویں سال ان کا رب ان پر مہربان ہو گیا تھا، مارے خوشی اور احساس تشکر کے ان کے قدم ہی زمین پر نہیں ٹکتے تھے، خوشی کی خبر پا کر اریج بخاری بھی بے حد مطمئن و خوش تھے اور جس دن وہ بیٹی کے باپ بنے مارے تشکر کے سجدے میں جا گرے تھے، ننھی ہوینا ان سب کی آنکھوں کا تارا بن گئی تھی، گلابی گالوں والی بے حد پیاری سی ہوینا کے ساتھ کھیلنا خدیج بخاری کو بے حد اچھا لگتا تھا اور جیسے جیسے ہوینا بڑی ہو رہی تھی اس کے ساتھ اٹیچ ہوتی جا رہی تھی، جس سال انہوں نے فیشن ڈیزائنگ میں ماسٹرز کیا تھا اسی سال ہوینا کی اسکولنگ اسٹارٹ ہوئی تھی، خدیج بخاری کے شوق کو دیکھتے ہوئے اریج بخاری نے انہیں ایک بوتیک بنوا دی تھی اور ان کے عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی الوینا بخاری چاہتی تھیں کہ ان کی شادی کر دیں مگر وہ بڑی سہولت سے انہیں ٹال رہے تھے کیونکہ الوینا بخاری ان کی شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کرنا چاہتی تھیں جبکہ وہ خود اپنی یونیورسٹی فیلو سے محبت کرتے تھے مگر وہ فی الوقت یہ چاچی کو نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ شمسہ کے جنون سے واقف تھے کہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہے اور یہ اس کے میڈیکل کا آخری سال ہے اسی لئے وہ شمسہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد چاچی سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن رب کو کچھ اور ہی منظور تھا ہوینا کی گیارہویں سالگرہ کی شام انجوائے کر کے وہ لوگ گھر واپس آ رہے تھے کہ ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا وہ اپنی بائیک پر آ رہے تھے جبکہ ہوینا حادثہ میں معجزاتی طور پر محفوظ رہی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی زندگی کی بازی ہار گئے تھے، الوینا بخاری تو موقع پر ہی دم توڑ گئی تھیں اور وہ بھتیجے سے ملنے اسے بیٹی کی ذمہ داری سونپنے تک زندہ رہے تھے، یہ حادثہ ایسا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پا رہے تھے کہ دعاؤں کا آخری سایہ بھی ان کے سر سے اٹھ گیا تھا اور ہوینا کا تو بہت ہی برا حال تھا وہ حادثہ سے خوفزدہ تھی اور ماں باپ کی جدائی سے اذیت و تکلیف سے گزر رہی تھی اور وہ

ہو بینا کے لئے خود کو سنبھال گئے تھے اور اس میں پرانی ملازمہ اماں بی نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا، والدین کی وفات کے وقت وہ آٹھویں جماعت میں تھی دو سال کیسے گزرے پتہ ہی نہیں چلا تھا اور اس نے میٹرک کرلیا تھا اس نے میٹرک بورڈ میں تیسری پوزیشن لی تھی وہ عرصہ بعد بہت خوش تھی اور خوش خدیج سے بانٹنا چاہتی تھی اس لئے وہ دوپہر سے ان کی منتظر تھی مگر رات کے بارہ بجے بھی وہ گھر نہیں آئے تھے وہ ان کا انتظار کرتی سو گئی تھی اور اگلے دن جب شکوہ کیا تھا اور اپنی خوشی ان سے کہی تھی تو وہ اس کے شکوے کی پرواہ کیے بغیر اس کی خوشی محسوس کیے بناء گہری سنجیدگی سے مبارکباد دیتے گھر سے چلے گئے تھے اس دن وہ بہت روئی تھی کہ اس نے اب تک خدیج بخاری کا نرم محبت لٹاتا لہجہ اور رویہ ہی دیکھا تھا پھر وقت نے ان کی ساری نرمی چھین لی تھی وہ نہیں جانتی تھی ایسا کیوں ہوا تھا نرم چھاؤں سے خدیج بخاری اس کے لئے چھاؤں ہو کر بھی بہت غیر اجنبی سے ہو گئے تھے اور اس کے بہت رونے منع کرنے کے باوجود بھی اسے ہاسٹل شفٹ کر دیا تھا، جہاں سے وہ ہر ویک اینڈ پر آیا کرتی تھی بی ایس سی پارٹ ون کے ایگزامز دے کر فارغ تھی اس لئے وہ ''سید ہاؤس'' آئی ہوئی تھی اور اماں بی آج کل اسے گھر داری سکھا رہی تھیں ہوسٹل میں اس کی دوستی شینا نامی لڑکی سے ہو گئی تھی، شینا نے اس سے دوستی اس کی خوبصورتی دیکھ کر کی تھی اور اس کی بیوقوفی اور سادگی نوٹ کرنے کے بعد اس کی برین واشنگ کرنے لگی تھی اور اس کی برین واشنگ کا ہی اثر تھا کہ اس نے خدیج بخاری سے شینا کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے کی فرمائش کرڈالی تھی اور جو ان کے انکار پر ضد میں ڈھلتی اس سے کافی بدتمیزی بھی کروا گئی تھی، اس کے اور

اماں بی کے احساس دلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور چاچا، چاچی کی موت کے تقریباً سات سال بعد وہ پہلی دفعہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ سینٹر لے گئے تھے ورنہ ان کی موت کے بعد وہ کالج کے علاوہ کہیں نہیں گئی تھی اور آج جس طرح اس نے ان سے سوری کر کے شکوہ کیا تھا وہ اپنے دل و ضمیر پر بوجھ محسوس کرنے لگے تھے۔

''شمسہ! ہم آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے، آپ نے ہماری اچھی بھلی زندگی تباہ کر ڈالی، ہمارے سارے رشتے بے رحم موت نے ہم سے چھین لئے تھے اور جو واحد رشتہ رہ گیا تھا وہ آپ نے اپنی تنگ دلی اور شک کی آگ میں جلتے ہوئے ہم سے چھین لیا، آپ بہت بری ہیں شمسہ، ہم آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' وہ ماضی سے نکلتے کافی دیر خلاؤں میں گھورتے رہے تھے کہ کافی سے ہی وابستہ دل سے جڑے رشتے سے مخاطب ہو کر بولے تھے کہ کچھ بھی تھا، وہ کتنی ہی تکلیف میں تھے مگر اسے اس کی تمام بے رخی اور بدتمیزی کے باوجود بھول نہیں سکے تھے کہ دل میں آنے کے ہزار راستے ہوتے ہیں مگر دل میں آ جان والے کو دل سے نکالنے کے لئے ایک بھی دروازہ نہیں ہوتا کہ محبت کی محبت، ایسا کوئی دروازہ کھولنے نہیں دیتی جو محبت سے دور کر دے، اسی لئے وہ بھی بند دروازوں سے ٹکراتے، دل کی ٹیسوں کو دل ہی میں دباتے زندگی گزار رہے تھے کہ نہ اسے دل سے نکال پا رہے تھے نہ ہی کسی اور کو دل کی حکمرانی سونپ رہے تھے اسی لئے ان کی زندگی جمود کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

''شینا! ہم آپ کی سالگرہ میں نہیں آ سکتے۔'' وہ قدرے شرمندگی سے بولی تھی جبکہ وہ

اس کی بات سن کر غصہ سے بھڑک اٹھی تھی مگر ہائے ری مجبوری وہ اسے دل ہی دل میں ہزار صلواتیں سناتی نہایت نرمی سے استفسار کرنے لگی تھی۔

''لیکن کیوں ونی! کل تو تم نے کہا تھا کہ تم آؤ گی؟'' وہ ضبط کے باوجود سرخ پڑ گئی تھی کہ ہوینا سامنے ہوتی تو وہ آج اسے کچا ہی چبا ڈالتی۔

''ہاں ہم نے کہا تھا بٹ شینا، یہ سب خدیج بخاری کو پسند نہیں ہے اور ہم وہ کام بہت چاہت کے باوجود بھی نہیں کر سکتے جس میں ہماری فیملی کی خوشی و رضا شامل نہ ہو۔'' وہ اپنی ازلی معصومیت سے بولی تھی۔

''فیملی واٹ فیملی ونی؟ وہ خدیج بخاری وہ محض تمہارا کزن ہے، تمہارا شوہر نہیں ہے جو تم اسے دھڑلے سے اپنی فیملی کہہ رہی ہو۔'' وہ مصلحت بالائے طاق رکھتی چبا چبا کر بولی تھی اور وہ تو ساکت رہ گئی تھی۔

''اور جب وہ کہیں آنے جانے سے قبل تم سے نہیں پوچھتا تو کس رشتے وحق سے تو تم نے خود کو محض ایک کزن کی مرضی و پسند کا پابند کر لیا ہے؟'' وہ اس کی خاموشی محسوس کر کے مزید کہتی چلی گئی تھی۔

''خدیج محض ہمارے کزن ہیں ہیں کہ وہیں تو واحد ہمارا خونی رشتہ، ہمارا سہارا ہیں۔'' اس سے کبھی اس طرح کسی نے کچھ نہ کہا تھا اس لئے وہ عجیب سی الجھن میں گھر چلی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے تھے اور وہ بمشکل بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

''مگر ان سے تمہارا کوئی شرعی رشتہ نہیں ہے، میرے کزن صفدر سے تو تم نے دوستی سے صاف انکار کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ تم غیر مردوں سے دوستی نہیں کرتیں تو خدیج بخاری سے اپنے رشتے کو تم کیا نام دوگی کہ ایک طویل مدت سے تم ایک نامحرم کے ساتھ رہ رہی ہو، اب ان سے تمہارے رشتے کی نوعیت کیا ہے یہ تو تم اور وہ تمہارا لاڈلا خدیج ہی بہتر جانتا ہوگا۔'' وہ اپنی سطحی سوچ بیان کر رہی گئی تھی جبکہ وہ اس کی اتنی گھٹیا گفتگو پر باقاعدہ کانپنے لگی تھی، سیل فون اس کے ہاتھ میں لرز اٹھا تھا وہ خود کو ہوا میں معلق تصور کرنے لگی تھی جبکہ اس کی خاموشی سے اسے گویا شہہ مل گئی تھی مزید بکواس کرنے کی اس لئے وہ جو منہ میں آرہا تھا کہتی جا رہی تھی۔

''تم خوبصورت ہو، جوان ہو تمہیں دیکھ کر تو بڑے بڑے عابد و زاہد بہک سکتے ہیں اس زندہ مثال تو خود میرا کزن صفدر ہے جو تمہاری ایک جھلک پر مرمٹا تھا اور جس کے کہنے پر بھی میں نے تم جیسی اٹھارہویں صدی کی لڑکی سے راہ و رسم بڑھائے تھے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے حسن کا جادو خدیج بخاری پر نہ چلا ہو؟ اور ایسے ہی تو تم اس کی ہر بات پر لبیک نہیں کہتیں یہ کرامات تو کسی خواہشات کا ہی پیش خیمہ لگتی ہیں؟'' وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔

''بکواس بند کیجئے اپنی۔'' وہ یکدم ہی حلق کے بل چیخ اٹھی تھی۔

''حقیقت پر تم پردہ نہیں ڈال سکتی ہو ہوینا بخاری اور اپنے خدیج سے ذرا فرصت ملے تو کرنا مجھ سے رابطہ کہ ایک صفدر ہی نہیں، بہت سے مرد تمہارے حسن کو خراج پیش کرنے کو دل و جان سے تیار ہو جائیں گے اور صفدر تو تمہیں کچھ گھنٹوں کی منہ مانگی قیمت ادا کر دے گا، بس ذرا اپنے خدیج سے ذرا سی بے وفائی کرنی پڑے گی۔'' اس نے کمینگی و عامیانہ پن کی بھی حد کراس کر دی تھی۔

''شٹ اپ شینا! ہمیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ آپ ہمارے بارے میں اس طرح سوچتی ہیں آپ کو اتنی گھٹیا گفتگو کرتے شرم آنی چاہیے۔'' وہ باقاعدہ کانپتی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بھئی مجھے تو یہ بھی پتہ کہ شرم کس چڑیا کا نام ہے؟ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں ایک کال گرل ہوں اور تم میں مجھے نہیں وہ صفدر حیات کو انٹرسٹ ہے اور اس کے ہی کہنے پر میں نے تم سے دوستی کی کہ صفدر میرا کزن نہیں ہے میں اس کی منظور نظر ضرور ہوں اور اس کا نگاہ انتخاب جب تم پر ٹھہرا تو مجھے غصہ بھی آیا تھا حسد بھی محسوس ہوئی تھی مگر صفدر نے نوٹوں کی گڈیاں دے کر غصہ وحسد کو بھسم کر ڈالا۔'' اس نے آج ہر حقیقت عیاں کر ڈالی تھی اپنی سوچ سے، اپنے عزائم تک اور اس نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا کہ صدمے و بے یقینی سے اس کا برا حال تھا۔

''مگر میں تم پر اپنا بہت وقت برباد کر چکی میں صفدر کو تمہارا موبائل نمبر دے دوں گی، پھر وہ جانے اور تم۔'' وہ اب اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''ہرگز نہیں، آپ کسی کو بھی ہمارا نمبر نہیں دیں گی۔'' وہ تڑپ کر چیخی تھی۔

''مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اللہ حافظ۔'' اس نے بکواس کر کے فون بند کر دیا تھا اور وہ سن سی بیٹھی رہ گئی تھی کہ اسی وقت اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی، اس نے اٹھ کر روم لاکڈ کر دیا تھا کہ وہ خدیج بخاری کی مخصوص دستک پہچان گئی تھی اسی لئے اب دروازے سے ٹیک لگائے بری طرح سسکنے لگی تھی کہ شینا کی باتیں اس کے کانوں میں گونجتیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔

''ونی! دروازہ کھولیے، ہمیں بتایئے کیا ہوا ہے؟'' وہ جو دستک دینے کے بعد دروازہ کھلنے کے منتظر تھے اس کے رونے کی آواز سن کر متفکر سے بلند آواز میں کہہ گئے تھے۔

''آپ ہمارے کچھ نہیں لگتے خدیج! آپ سے ہمارا کوئی شرعی رشتہ نہ ہونا ہمیں ذلت و رسوائی کے پاتال میں دھکیل گیا ہے۔'' اس کی ہچکیاں بندھنے لگی تھیں اور شینا کے ذلت میں ڈوبے لفظ تیر کی طرح چبھنے لگے تھے۔

''ہم اب آپ کا کبھی سامنا نہیں کر پائیں گے، کبھی بھی نہیں خدیج، کہ شینا نے ہمارے رشتے، ہمارے کردار پر انگلی اٹھا کر ہمیں جیتے جی مار ڈالا ہے۔'' وہ متفکر سے دروازہ پیٹ رہے تھے، پریشانی سے اسے پکار رہے تھے اور وہ بلک بلک کر روتی خود سے کہے جا رہی تھی۔

''آپ دروازہ کھولیں ونی، ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔'' تفکر پر جیسے ہی اشتعال غالب آیا وہ چیخ پڑے تھے اور ان کی بات سن وہ زمین سے اٹھی، اس کے ذہن میں یکدم ہی منفی سوچ ابھری تھی اور سوچ کے ابھرتے ہی اس کی نگاہ متلاشی انداز میں چکرانے لگی تھی کہ اسے روم فریج کے اوپر رکھی باسکٹ میں چھری نظر آ گئی تھی اور اس نے لپک کر جیسے اپنے قبضے میں لیا تھا اور آؤ دیکھا تھا نہ تاؤ، داہنی کلائی کی رگ بے دردی سے کاٹ ڈالی تھی۔

''آپ دروازہ توڑ دیں خدیج بابا کہ اب تو ان کے رونے کی آواز بھی نہیں آ رہی؟ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے، اس طرح تو ونی بیٹا کبھی نہیں کرتیں۔'' اماں بی بھی چلی آئیں تھیں مگر ان کی بھی ہر کوشش اکارت گئی تھی اور آواز آنا بند ہوئی تھی تو وہ دونوں ہی نہ جانے کیوں بہت بے چین ہو گئے تھے اور جس وقت وہ دروازہ توڑ کر کمرے

میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے تھے گرے کارپٹ لہورنگ ہورہا تھا وہ دونوں ہی دیوانہ وار اس پر جھکے تھے، خدیجہ بخاری نے اس کے آنسوؤں سے تر زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے دل کی دھڑکن چیک کی تھی اور رفتار معمول سے کم ہونے کے باوجود کسی امید کے تحت اسے بانہوں میں اٹھائے ہاسپٹل کی جانب دوڑ گئے تھے اور اس کے بچپن کے حدود سے نکلنے کے بعد پہلی دفعہ تھا کہ انہوں نے اسے چھوا تھا کہ وگرنہ جب اس نے بچپن کو خیرباد کہہ کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا وہ نہ اسے نظر بھر کر دیکھتے تھے اور نہ ہی دعا تک کے لئے اس کے سر پر دست شفقت رکھتے تھے کہ وہ اتنے ہی محتاط پسند تھے مگر ان کی تمام محتاط پسندی، اچھی و نیک تربیت و فطرت سب بے کار گئی تھی کہ برائی دیکھنے والی آنکھ نے برائی دیکھے بنا بھی مفروضوں کی بنیاد پر برائی نہ صرف دیکھی تھی بلکہ اس کا یوں کھلا اظہار کیا تھا کہ وہ خودکشی جیسے حرام فعل کی مرتکب ہوئے لمحہ بھر کو بھی کانپی تک نہ تھی جبکہ وہ تو اس کے اس اقدام کو لے کر مضطرب ہو گئے تھے، بے چینی سے آئی سی یو کے باہر ٹہل رہے تھے کہ آئی سی یو کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بڑی بے قراری عجلت میں آگے بڑھے تھے کہ اپنے پورے وجود کے ساتھ ڈھے گئے تھے کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کئی برس بعد اس دشمن جاں سے یوں سامنا ہوگا، ان کو دیکھ ساکت تو وہ بھی رہ گئی تھی مگر ان کی نسبت بڑی پھرتی سے خود کو کمپوزڈ کر گئی تھی جبکہ وہ اسے یک ٹک دیکھ رہے تھے ان کی آنکھوں میں یکدم وہی بے قراری چاہت ڈیرا جما چکی تھی جو اس کے لئے مخصوص تھی۔

''آپ کی پیشنٹ اب خطرے سے باہر ہیں، انہیں کچھ ہی دیر میں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔'' لحظہ بھر کو اس کا دل دھڑکا تھا مگر وہ دل کی آواز کو پہلے کی طرح نظر انداز کرتی پیشہ ورانہ سنجیدگی سے کہتی نکلتی چلی گئی تھی اور وہ ساکت کھڑے رہ گئے تھے، نہ اس کے پیچھے جا سکے تھے اور نہ ہی ونی کے لئے آگے بڑھ سکے تھے۔

☆☆☆

''ہمیں کیوں بچایا؟ ہمیں نہیں جینا، ہمیں مر جانے دیا ہوتا۔'' وہ اماں بی کو دیکھ کر سسکی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے ونی بیٹا آپ کو، کیوں کر رہی ہو ایسی باتیں؟ جانتی ہو ناں آپ کہ خودکشی حرام ہے تو پھر کیوں مرنے جا رہی تھیں حرام موت۔'' وہ بھیگی پلکوں سے اس کے متورم زرد چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہم کچھ نہیں جانتے، ہمیں بس اتنا پتہ ہے کہ ہمیں نہیں جینا، ہم مر جانا چاہتے ہیں۔'' اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

''بکواس بند کیجئے اپنی۔'' خاموش تماشائی بنے خدیجہ بخاری پھنکارے تھے اور ان کی موجودگی سے لاعلم، ان کے سامنے اسے خائف وہ خود اذیتی سے لب چبانے لگی تھی۔

''ایسا کون سا طوفان آ کر گزر گیا جو آپ حرام موت مرنے چلی تھیں۔'' وہ اس کو ہاسپٹل لانے تک اور اس کی زندگی کی دعا کرتے جس اذیت و تکلیف سے گزرے تھے وہی اس پر ظاہر ہوئی تھی جو وہ یوں اس پر چیخ اٹھے تھے۔

''ہم نے جائز و حلال زندگی ہی کب گزاری ہے جو مرنے کا جائز اہتمام کریں، ایسی زندگی سے تو حرام موت ہی بہتر ہے۔'' وہ خود اذیتی کی انتہا کو چھوتی لرزتے لہجے میں بولی تھی ان دونوں کے ہی اضطراب میں اضافہ کر گئی تھی۔

''ونی! پلیز بتائیے ہمیں آپ کیوں اتنی

ڈسٹرب اور ڈس ہارٹ ہیں۔'' وہ اس کے لفظوں پر بے چین ضرور ہوئے تھے مگر اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر خود کو کمپوزڈ کرتے اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھے تھے اور نہایت شفقت سے پوچھا تھا۔

''آپ ہمارے لئے کیوں کس حق اور رشتے سے پریشان ہو رہے ہیں؟ چلے جائیے یہاں سے۔'' وہ جتنی نرمی و شفقت سے بولے تھے وہ اسی قدر بھڑک کر چیخی تھی۔

''بی ہیو یورسیلف، یہ گھر نہیں ہاسپٹل ہے، ہم یہاں کوئی تماشہ نہیں لگانا چاہتے۔'' وہ اس کے انداز پر دبے دبے غصہ سے بولے تھے۔

''آپ کس تماشے سے بچنا چاہتے ہیں، ہم تماشہ بن چکے ہیں، ہمارے پاکدامن پر شفاف کردار پر کیچڑ اچھالی گئی اور ہم چپ رہے کہ ہمارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو ایک لفظ نہیں تھا۔'' وہ کمزوری کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح بلک رہی تھی، اس کے ہاتھ میں لگی ڈرپ کے لئے لگیں نیڈلز نکل گئی تھیں اور خون رسنے لگا تھا۔

''ونی گڑیا! ہم آپ کی غیر مبہم لایعنی باتیں نہیں سمجھ پا رہے، آپ کو کس نے کیا کہا ہے ہمیں بتائیے پلیز۔'' وہ اس کی باتوں سے ہی نہیں اس کے بلکنے پر بھی تڑپ اٹھے تھے اور نہایت نرمی سے شفقت بھرے پچکارنے والے انداز میں استفسار کرتے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ گئے تھے اور گویا ایسا کر کے انہوں نے قیامت کو آواز دے ڈالی تھی۔

''مت چھوئیں ہمیں، دور ہو جائیں ہم سے، ہمارا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے، آپ ہمارے محرم نہیں ہیں، نہ آپ ہمارے باپ ہیں نہ ہمارے شوہر، تو پھر کس حق سے آپ نے ہمیں چھوا؟'' وہ ان کا ہاتھ اپنے کاندھے سے بے دردی سے جھٹکتی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی اور کب سے ضبط کرتے اشتعال کو دباتے خدیج بخاری اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے اور اس پر ہاتھ اٹھا لیا تھا۔

''زبان سے ایک لفظ مزید نکالا تو ہم آپ کو جان سے مار دیں گے۔'' خونخوار لہجے میں کہتے نکلتے چلے گئے تھے جبکہ وہ گال پر ہاتھ رکھے مزید بلکنے لگی تھی اس کے چیک اپ کے ارادے سے آئیں ڈاکٹر شمسہ واپس پلٹ گئی تھیں کہ ان کا دل جلنے لگا تھا اور دماغ سلگ اٹھا تھا جبکہ حیران پریشان سی اماں بی روتے ہوئے اسے چپ کرانے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

''اماں بی! ونی کو دیکھنے آج شام کچھ لوگ آئیں گے، آپ تیاری کر لیجئے گا۔'' وہ ناشتہ کرتے ہوئے کہتے اماں بی کو ساکت کر گئے تھے۔

''خدیج بابا! ابھی بٹیا مکمل صحت یاب نہیں ہوئی ہیں، یہ وقت اس مسئلہ کو اٹھانے کا نہیں ہے کہ آپ ان کی ذہنی حالت سے بھی واقف ہی ہیں۔'' وہ کہے بغیر نہیں رہی تھیں۔

''سب جانتے ہیں اماں بی اور جو نہیں جانتے وہ بتانے کو راضی نہیں ہیں مگر ہم نے بچے ہیں نہ ہی کوئی کم عقل انسان ہیں، ان کے رویے و باتوں سے جتنا سمجھ پائے ہیں اسی کی روشنی میں یہ قدم اٹھا رہے ہیں کہ ہم جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے ہیں۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے تھے کہ چاہے اس نے کچھ واضح انداز میں نہیں کہا تھا مگر وہ جتنا سمجھ پائے تھے اس کا لب لباب یہی تھا کہ وہ ان سے کوئی شرعی رشتہ نہ ہونے کے سبب پریشان ہے اور وہ اس سے شرعی رشتہ جوڑ بھی نہیں سکتے

تھے اس لئے اس کی ذمہ داری سے آزاد ہو جانا چاہتے تھے۔

''ہمیں بھی لگتا ہے کہ کسی نے بٹیا کو آپ کے حوالے سے کچھ غلط کہا ہے اسی لئے ہم چاہتے تھے کہ آپ ونی بٹیا سے نکاح کر لیں۔'' انہوں نے اندازہ ظاہر کر کے اپنا مطالبہ بھی دہرایا تھا۔

''اماں بی! ہم کسی کے الزام کی تردید کے لئے اپنی سوچ کا زاویہ نہیں بدل سکتے کہ ونی ہمارے لئے رشتوں کی پاکیزگی ہیں، ان کے بارے میں ایسا سوچنا بھی ہمارے لئے حرام ہے۔'' وہ ادھ پیا چائے کا کپ رکھتے کھڑے ہو گئے تھے۔

''ونی کے گزشتہ رویے کا سبب کیا ہے نہیں جانتے؟ اگر وہی ہے جو آپ اور ہم سمجھ رہے ہیں اس کے باوجود بھی ہم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے کہ ہماری نیت کل بھی صاف تھی، آج بھی صاف ہے، بندوں کی عدالت میں چاہے ہم پر کتنی ہی انگلیاں اٹھ جائیں، ہمیں سو کوڑے سر راہ مار لئے جائیں، مگر ہماری سوچ ہمارا عمل اللہ کی عدالت میں کامیاب ٹھہریں گے کہ ہماری اوقات نہیں تھی کہ ہم ونی کی ذمہ داری اٹھانے کے اہل ہو پاتے، مگر جس نے ذمہ داری ڈالی تھی اسی رب نے ہمیں آج تک ہمیں ہمارے عمل میں سرخرو کیا ہے اور آگے بھی کرے گا۔'' وہ بہت سنجیدہ تھے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا موقف بیان کر گئے تھے۔

''آپ مہمانوں کے لئے انتظام کر لیجئے گا وہ چھ بجے تک آئیں گے۔'' وہ وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے اور ان کے کہنے کے مطابق وہ وقت پر آ گئے تھے، لڑکے کا نام شاغل حمید تھا جو خدیج بخاری کا منیجر تھا اور اس کی نیک فطرت اور دھیما سنجیدہ مزاج دیکھتے ہوئے ہی انہوں نے خود شاغل سے شادی کی نہ صرف بات کی تھی بلکہ اس کے اور اس کی فیملی کے دیکھنے کے لئے ہوینا کی تصویر بھی دی تھی، زرد لمبی قمیض اور چوڑی دار پاجامے میں دوپٹہ سلیقہ سے سر تک اوڑھے (اماں بی نے اس کی تربیت بہت اچھے خطوط پر کی تھی وہ نائنتھ کلاس سے دوپٹہ سر تک لے رہی تھی) تمام تر سادگی میں اپنی کھلتی ہوئی رنگت اور متناسب سراپے کے ساتھ پہلی ہی نگاہ میں شاغل حمید کو پسند آ گئی تھی اور اس نے خدیج بخاری کا دیا پرپوزل اور تصویر والدین تک پہنچا دی تھی، تصویر دیکھ کر تو انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی اور جو طبقاتی فرق تھا اس کا احساس مگر بیٹے کو دلایا ضرور مگر وہ خدیج بخاری کے رکھ رکھاؤ اور عادات کے سبب اس فرق کو بھول گیا تھا اسی لئے اس نے ان کے دیئے پرپوزل پر حامی بھر لی تھی اور اس کی تصویر دیکھ کر تو انکار کی گنجائش ہی نہ رہی تھی اس لئے وہ اپنے والدین کو لے کر خدیج بخاری کے گھر پہنچ گیا تھا اور اس سب میں اللہ کی رضا شامل تھی اس لئے تمام معاملات طے ہوتے چلے گئے تھے انہوں نے محض پندرہ دن بعد کی تاریخ دی تھی اور دن کیسے گزرے وہ جان ہی نہیں سکے تھے اور شادی کا دن آن پہنچا تھا اور انہوں نے اس کی خوشیوں اور سلامتی کی دعا کرتے ہوئے اسے شاغل حمید کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے رخصت کر دیا تھا۔

☆☆☆

شاغل حمید پر بے اختیاری کا دور اترا ہوا تھا وہ اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا جو مکمل سولہ سنگھار کیے اس کی سیج سجائے بیٹھی تھی اور اس کے ٹکٹکی باندھے دیکھنے پر اس پر گھبراہٹ سوار ہو گئی تھی، پلکیں لرزنے لگیں تھیں، چہرہ لہو چھلکانے لگا تھا، وہ لب دانتوں تلے کچلنے لگی تھی کہ اس نے

مسکراتے ہوئے استحقاق بھرے انداز میں اس کا حنائی چوڑیوں سے بھرا ہاتھ تھام لیا تھا، وہ اس کے لمس پر بے اختیار اسے دیکھنے لگی تھی اور اس کے اسمائل پاس کرنے پر، پر حجاب سی حیا کے ساتھ اپنے اندر ہی سمٹ سی گئی تھی۔

''اوہوں، کیسی ہیں آپ مسز ہو بینا شاغل؟''
اس نے ہاتھ کھینچا چاہا تھا اس لئے شرارتی انداز میں تنبیہ کی تھی اور مسرور سے انداز میں استفسار کیا تھا۔

''ہم اچھے ہیں۔'' وہ نگاہ جھکائے منمنائی تھی اس کے لہجے میں واضح لرزش تھی جو اس کے لبوں پر اجلی سی مسکان کھلا گئی تھی۔

''آپ کو دیکھنے سے پہلے تک، میں بھی بہت اچھا تھا۔'' اس کا نرم شائستہ لہجہ شرارت کی چغلی کھا رہا تھا وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی تھی اور اس کے خوبرو چہرے پر بکھری نرم سی دوستانہ مسکراہٹ دیکھ کر اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی تھی۔

''آپ ہماری شادی سے خوش ہیں ہو بینا؟ آپ کو مجھ سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوا؟'' گمبھیر لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''جج...... جی...... نہیں۔'' اس کی نگاہ خود پر محسوس کرتی وہ گھبرائے سے لہجے میں منمنائی تھی۔

''آپ کو اعتراض کیوں نہیں ہوا؟ کیا میں آپ کو اچھا لگا تھا؟'' اس کا گھبرایا سا معصومانہ انداز اسے شرارت پر مزید اکسا گیا تھا۔

''نن...... نہیں...... تو۔'' اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوا تھا۔

''اوہ...... میں آپ کو اچھا کیوں نہیں لگا تھا؟'' اس کے لبوں پر تبسم نگاہوں میں شرارت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے بھی وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''جب آپ ہمارے گھر آئے تھے ہم نے آپ کو غور سے دیکھا ہی نہیں تھا مگر پھر بھی ہمیں شادی پر اعتراض نہیں ہوا کیونکہ آپ کو ہمارے لئے خدیج نے منتخب کیا تھا اور وہ ہمارے لئے کوئی غلط فیصلہ نہیں لے سکتے اور ان پر یقین کے سبب ہم آج آپ کے سامنے موجود ہیں۔'' وہ خود کو کمپوز کرتی دھیمے مگر نرم لہجے میں کہتی چلی گئی تھی۔

''سر نے جب آپ کا پرپوزل میرے سامنے رکھا مجھے حیرانگی ہوئی تھی کہ آپ اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب اس فرق کی جانب میں نے اشارہ کیا تو سر نے بڑی خوبصورتی سے اس مسئلے کو ٹال دیا یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کی مصلحت ہے وہ چاہے جسے جو عطا کر دے، بس پھر میں نے رضا مندی دکھائی اور سر نے آپ کی تصویر مجھ دیکھنے کے لئے دے دی اور میں پہلی نظر میں ہی آپ کے معصوم حسن کا اسیر ہو گیا۔'' وہ بہت نرمی سے تمام تر تفصیل ہی نہیں حکایت دل بھی اس کے گوش گزار کر گیا تھا اس کے چہرے کی سرخی میں حیا کی کچھ اور ملاوٹ ہو گئی تھی اور آنکھیں الگ حیا کے بار سے مزید جھکتی چلی گئی تھیں مگر ذہن کے کسی کونے میں یہ بات سرسرانے لگی تھی کہ خدیج بخاری نے آگے بڑھ کر شاغل حمید سے اس کی شادی کی بات کی تھی اور یہ سرسراہٹ اسے بے چین کر رہی تھی کہ کیوں انہوں نے خود سے بات کی؟ وہ مزید بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی توجہ بٹ چکی تھی اور تب ہی شاغل حمید کا سیل فون بڑی شد و مد سے بجنے لگا تھا ان فسوں خیز لمحات میں یہ مداخلت اسے سخت بری لگی تھی اس لئے اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی کہ میسج ٹون سن کر اس نے لامحالہ سائیڈ پر پڑا سیل فون اٹھا لیا تھا۔

''تمہارے ساتھ تو بڑی ناانصافی ہو گئی ہے میرے یار، تمہارے نکاح میں جو لڑکی آئی ہے وہ

خدیجہ بخاری کی اترن ہے۔" وہ میسج تھا کوئی قیامت تھی جو اس پر سے گزر گئی تھی، اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ چکا تھا اور وہ بیڈ سے اٹھ گیا تھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری شادی ایک ایسی لڑکی سے ہو گئی ہے جس نے رشتہ تو اپنے کزن خدیجہ بخاری سے رکھا ہوا تھا مگر دلہن تمہاری بن گئی ہے کہ اس سے خدیجہ بخاری کا دل بھر گیا تھا تب ہی تو خود آگے بڑھ کر تم سے بات کی اور تم اس کی چکنی چپڑی باتوں اور دولت کی لالچ میں آ گئے، تف ہے تمہاری مردانگی پر جو تم ایک ایسی لڑکی کے ساتھ اپنی گرہستی بنانے جا رہے ہو جو کسی کی اترن ہے۔" دوسرا میسج اس نے میکانکی انداز میں کھول کر پڑھا تھا مگر اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا، ماتھے کی سبز رگیں ابھر آئی تھیں اور اس نے تیسری میسج ٹون پر موبائل ہی دیوار پر دے مارا تھا۔

"اتنا بڑا دھوکہ۔" وہ جو کچھ دیر قبل اسے پیار سے دیکھتا نرمی سے بات کر رہا تھا اشتعال کی زد پر کھڑا خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔

"تم جو بھی فیصلہ لو بہت سوچ سمجھ کر لینا کہ یہ جو امیر لوگ ہوتے ہیں محض اپنے مفاد کے ہوتے ہیں، اس رشتے کے پیچھے ان کا کیا مفاد ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے، بس تم سوچ لو کہ کہیں زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ غلط طے نہ ہو جائے۔" اس کی بڑبڑاہٹ کے درمیان ہی میں اسے اپنے کانوں میں اپنی ماں کی آواز گونجتی سی محسوس ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں تھیں، اشتعال کی زد پر آتا وہ اس کی طرف بڑھا تھا اور بازو سے جکڑ کر جارحانہ انداز میں اسے بیڈ سے نیچے گھسیٹ لیا تھا وہ اس افتاد پر انگشت بدنداں رہ گئی تھی، اس کا وجود یوں کھینچے جانے پر لڑکھڑائی تھی مگر وہ اسے اپنے مقابل کھڑا کر چکا تھا۔

"تمہارا خدیجہ بخاری سے کیا رشتہ ہے؟"

تمام خوش کن احساسات سمندر کی جھاگ کی مانند بیٹھ گئے تھے، وہ قہر آلود نگاہوں سے اس کے حسین چہرے کو دیکھتا تنفر سے پوچھ رہا تھا۔

"چپ رہیں، یا جھوٹ بولا، زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔" وہ مارنے مرنے پر تلا تھا اور وہ خوف سے کانپنے لگی تھی۔

"ان سے ہمارا کوئی شرعی رشتہ نہیں ہے، وہ ہمارے کزن ہیں، ہمارے لئے عزت و تحفظ کا شجر سایہ دار۔" وہ خوف کے باوجود اس کو جواب کا منتظر پا کر دھیمے لہجے میں بولی تھی کہ اشتعال کی آخری منزل پر کھڑا شاغل حمید اس پر ہاتھ اٹھا گیا تھا۔

"چٹاخ!"

"عزت کی دہائی تو مجھے کم از کم نہ دینا کہ تحفظ کی آڑ میں تم نے اس شخص کے ساتھ مل کر جو بے حیائی کے کھیل کھیلے ہیں، سب جان گیا ہوں، تمہیں اور اس بے غیرت خدیجہ بخاری کو کیا لگا تھا کہ سچائی مجھ سے پوشیدہ رہے گی، لیکن نہیں تم دونوں کے سارے کالے کرتوت مجھ پر عیاں ہو گئے ہیں۔" پھنکارتے ہوئے اسے خود سے دور دھکیل دیا تھا۔

"میں چاہوں تو اتنا بڑا فریب دینے کے جرم میں تمہیں وہ سزا دوں کہ تم کسی کو منہ تک دکھانے کے قابل نہ رہو، مگر حرف تو میری عزت، میری غیرت پر بھی آئے گا اور میں اس خدیجہ بخاری کی طرح نفس پرست نہیں ہوں کہ حسن دیکھ کر شرعی تقاضے اور خدا کا فرمان ہی فراموش کر ڈالوں کہ ویسے بھی میں کسی کے تھوکے ہوئے کو

چاٹنے والوں میں سے نہیں ہوں، صبح ہوتے ہی یہاں سے دفع ہو جانا، ورنہ کہیں میں اشتعال میں آکر تمہارے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ ہی نہ رنگ بیٹھوں، اس لئے واپس اپنے یار کے پاس چلی جانا۔'' وہ اس کے بے دردی سے دھکیلنے پر منہ کے بل ٹھنڈے فرش پر گری تھی اور اٹھ بھی نہ پائی تھی کہ وہ نفرت سے اسے دھتکارتا ٹھوکر مارتا کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا تھا جبکہ کمرے میں وہ بے گناہ و پاکدامن ہوتے ہوئے بھی کسی کی گندی سازش کا شکار ہوتی اپنی بدبختی پر بلک بلک کر رو رہی تھی مگر اس کے بین سننے اور اس کی مدد کو آنے والا کوئی نہ تھا اور وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی معتوب ٹھہرا دی گئی تھی۔

☆☆☆

''دنی!'' وہ جو چائے پیتے ہوئے چڑیوں پر نگاہ جمائے کھڑے مطمئن سے مسکرا رہے تھے، دروازہ کھلنے کی آواز پر ان کی توجہ ہٹ گئی تھی اور کھلے دروازے سے اندر داخل ہوتی اجڑی ہوئی سی ہوینا بخاری کو دیکھ وہ بے تابانہ اس تک آئے تھے ان کی پکار میں دنیا جہاں کی فکر سمٹ گئی تھی جبکہ وہ ان کو خالی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

''دنی! آپ اس وقت یہاں کیسے آئی ہیں؟ بتایئے ہمیں۔'' وہ سرخ عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی، میک اپ کے مٹے مٹے نشانات سرخ متورم چہرہ زرتار آنچل کی جگہ اس کے وجود سے لپٹی سیاہ کشمیری شال، وہ دیکھ کر اتنی بری سچویشن میں بھی چونک اٹھے تھے، جب ہی کھلے دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا اور اسے دیکھ کر تو زمین و آسمان انہیں ایک ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

''کل رات ایک سرجری کی وجہ سے مجھے لیٹ نائٹ تک ہاسپٹل میں اسٹے کرنا پڑا تھا اور اذانوں کے وقت جب میں ہاسپٹل سے نکلی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہوینا سے میرا اس طرح ٹکراؤ ہو جائے گا۔'' وہ خود پر سوالیہ نگاہیں محسوس کرتیں کہتی چلی گئی تھیں۔

''یہ لیکن آپ کو ملیں کہاں؟'' وہ جو میکانکی انداز میں اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی وہ اس کا بازو جکڑتے اسے روکتے ان سے مخاطب ہوئے تھے۔

''میرے گھر کے نزدیکی اسٹاپ پر یہ اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گئی تھیں میں نے بروقت بریک لگا کر انہیں نقصان سے بچالیا اور انہیں پہچان کر آپ کے پاس لے آئی، یہ تو میں خود نہیں جانتی یہ وہاں کیسے پہنچی تھیں اور اس حال میں خودکشی کیوں کرنا چاہتی تھیں۔'' وہ سنجیدگی سے تفصیل بتا رہی تھیں جب وقت انہوں نے اسے بمشکل اپنی گاڑی میں بیٹھنے پر راضی کیا تھا تب اس کے کاندھے پر جھولتا اس کا زرتار عروسی آنچل اس کے وجود سے گر گیا تھا تب انہوں نے کئی برسوں سے ڈیش بورڈ پر رکھی سیاہ کشمیری شال اٹھا کر اس کے وجود کی زینت بنا دی تھی، کہ جس شام وہ ان سے بدگمان ہو کر ان سے بچھڑیں تھیں اس سے ایک ماہ قبل کی شام بہت حسین تھی جب انہوں نے اسے بڑی خوبصورت رنگ پہنائی تھی اور سیاہ کشمیری شال یہ کہہ کر گفٹ کی تھی کہ یہ ان کی ماں کی ہے جو وہ ان کی جانب سے ان کی بہو کو بطور شگن دے رہے ہیں، انہوں نے جسے مسکرا کر لیا تھا اور ڈیش بورڈ پر رکھ دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ جب عروسی جوڑا پہن کر بابل کی دہلیز عبور کریں گی تب ان کی ماں کی شال کو سر پر دعاؤں کی صورت سجالیں گی مگر یہ دن آنے سے قبل ہی وہ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے تھے اور ان میں اتنی ہمت بھی کبھی نہ ہوئی تھی کہ اسے وہاں سے اٹھا کر ہی پھینک دیتی کہ ان

سے بدگمان ہونے کے باوجود کئی برس گزر جانے کے باوجود بھی اس کی انگلی میں ان کے نام کی ہی انگوٹھی سجی تھی جو انہوں نے کسی اور کے نام کی سرخ ردا اوڑھ لینے کے باوجود بھی نہ اتاری تھی۔

''وی! خدا کے لئے آج چپ نہ رہنا، ہمیں بتاؤ کیا ہوا ہے؟ شاغل نے آپ سے کیا کہا۔'' وہ اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑتے ہوئے بولے تھے۔

''شاغل حمید نے ہمیں آپ کی اترن کہہ کر بے دردی سے ٹھکرا دیا۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی تھی اور وہ گویا کرنٹ کھا کر اس کے شانوں سے ہاتھ کھینچتے فاصلے پر ہو گئے تھے۔

''میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی خدیج بخاری، آپ نے محبت کی مجھ سے، مگر رشتہ رکھنا چاہتے ہیں ہوینا بخاری سے، اسی سے تعلق بنانا تھا تو مجھ سے کیوں کی محبت؟ کیوں دکھائے مجھے سپنے اور جب میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں، شادی کرنا چاہتی ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے تو شادی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں نہیں ہوں تو پھر وہی حسین بلا ہوینا ہی آپ کی محبت ہے ناں، جس کے لئے میری محبت جھٹلا رہے ہیں۔'' برسوں پہلے کے کہے ان کے لفظ کانوں میں گونج اٹھے تھے۔

''انہیں ہم پر بھروسہ نہیں ہے، ہماری پاکدامنی پر شک ہے۔'' وہ اب سسکنے لگی تھی اور وہ ماضی سے اس کی آواز کے سبب واپس حال میں لوٹ آئے تھے کہ نگاہ کچھ فاصلے پر تماشائی بنیں ڈاکٹر شمسہ پر اٹھی تھی اور پھر ماضی کانوں میں گونج اٹھا تھا۔

''محبت کو آپ نے محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے استعمال کیا، باہر مجھے آپ نے وقت کو رنگین بنانے کا ذریعہ بنایا اور گھر میں تو ہے وہ آپ کی لاڈلی ونی آپ کے وقت کو رنگین و حسین بنانے کو جس کی فکر میں ڈوب کر نہ آپ کو کھانا یاد رہتا ہے، نہ لاکھوں کے نقصان سے فرق پڑتا ہے، جب سے کچھ طے تھا تو میری زندگی کیوں برباد کی؟'' وہ اس پر سے نگاہ ہٹا گئے تھے جس کی آنکھوں میں آج بھی تنفر اور بدگمانی رچی تھی۔

''آپ ہم سے پوچھ رہے تھے ناں کہ ہم نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی؟ مگر ہم نے محض کوشش نہ کی تھی خدیج، سچ میں ہم مرجانا چاہتے تھے کہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ جس میں لوگوں کے طعنے اور اٹھی انگلیاں برداشت کرنی پڑیں، ہماری دوست شینا نے بھی ہم سے یہی کہا تھا۔'' وہ بات جو ایک ماہ قبل نہ بتائی تھی آج وہ کہتی چلی گئی تھی اس کے چہرے پر تمسخر در آیا تھا جبکہ ان کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا۔

''شینا کے ہر الزام کو دو سے ضرب دے کر شاغل حمید نے کل رات ہمیں یوں ذلیل کیا ہے کہ ہم آپ سے تو کیا خود سے بھی نظر ملانے کے بھی قابل نہیں رہے۔'' وہ سبز گھاس پر گرتی چلی گئی تھی وہ بلکتے ہوئے شاغل حمید کا ہر الزام اپنے منہ سے بتا رہی تھی اور قطرہ قطرہ زندگی اسے بہتی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہم شینا کی باتوں کی وجہ سے ڈسٹرب تھے کبھی بھی شادی کے لئے راضی نہ ہوتے مگر ہم نے آپ کی اور اماں بی کی باتیں سن لی تھیں۔''

''آپ نے اماں بی سے کہا تھا کہ آپ ہم سے رشتے کے معانی نہیں بدل سکتے چاہے کوئی کچھ کہے کیونکہ آپ اپنے عمل سے مطمئن ہیں، آپ کو یقین ہے کہ آپ اللہ کی عدالت میں سرخرو ہوں گے اس لئے بندوں کی عدالت آپ کو اچھا کہے یا برا کہہ کر سنگسار کر ڈالے آپ کو فرق نہیں پڑتا کہ اصل کامیابی اللہ کے آگے سرخرو ہونے

میں ہے مگر آپ بھول گئے تھے خدیجہ کہ اللہ تو بہت مہربان، غفور و رحیم ہے، وہ بندے کی ہر خطا کے باوجود اسے معاف کر کے سرخرو کر دیتا ہے اور بندے اپنی خود ساختہ عدالت میں بنا جرم کے بھی ایسی سزا سناتے ہیں کہ بندہ جیتے جی مر جاتا ہے، جیسے ہم مر گئے ہیں۔"

وہ کل رات سے مستقل رو رہی تھی مگر وہ ایسے طوفان سے گزری تھی کہ آنسو اور گریہ زاری ختم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی تھی اور اتنی دیر میں پہلی دفعہ ڈاکٹر شمسہ تھرا کر کانپ اٹھی تھیں اور ترحم بھری نگاہوں سے گھٹنوں کے بل بیٹھی اس لڑکی کو دیکھنے لگی تھیں جس سے انہیں بے انتہا نفرت تھی کہ وہی تو انہیں ان کی خوشیوں کی قاتل لگتی تھی۔

"اپنی تمام تر اچھائی اور پاکدامنی کے باوجود ہم خود کو باکردار ثابت نہ کر پائے اور بد کرداری کا طعنہ لئے واپس لوٹ آئے ہیں کہ دنیا سامنے کی چیز دیکھتی ہے اور سامنے آپ اور ہم ہیں، ہمارا غیر شرعی رشتہ ہے، ہمارے ذہن و دل میں ایک دوسرے کے لئے کیا ہے یہ جاننے کی کوئی کوشش نہیں کرتا، سامنے کا منظر دیکھ پورا ڈرامہ تیار کر لیا جس میں ہم و آپ بدکردار ٹھہرے ہیں۔" وہ بلک رہی تھی جبکہ وہ کسی مجسمے کی مانند ساکت و جامد کھڑے تھے اور اس کی گریہ وزاری ڈاکٹر شمسہ کی آنکھیں نم کرنی لگی تھی۔

"ہم شاغل کو ان کے بے اعتباری کے سبب بتا ہی نہیں پائے کہ آپ کے اور ہمارے درمیان بھائی کی محبت بھی رہی، باپ کی بیتا بھی، بہن کا مان بھی رہا، ماں کی ممتا بھی، بس نہیں رہا کبھی ہمارے درمیان کچھ تو وہ مرد و عورت کے درمیان کی نفس و ہوس نہ رہی۔" اس کے رونے میں اذیت و تڑپ تھی جو ڈاکٹر شمسہ کو بھی تڑپا گئی تھی اور وہ بت بنے خدیجہ بخاری کو دیکھنے لگی تھیں کہ جیسے وہ مشاغل حمید کو اپنی بے گناہی کا یقین دلائے بغیر آ گئی تھی یہی تو کچھ برس پہلے انہوں نے بھی کیا تھا، اماں بی بھی وہاں چلی آئی تھیں اور اسے بلکتے دیکھ رہی تھیں جس کی آنکھوں میں انہوں نے اور خدیجہ بخاری نے آنسو نہیں آنے دیئے تھے فقط ایک رات میں مشاغل حمید نے اسے خون کے آنسو رلایا تھا۔

"ونی! خدا دکھائی نہیں دیتا، محسوس ہوتا ہے اور رشتے محسوسات کا ہی تو نام ہیں، پاکیزگی و پاکدامنی کا تعلق بھی محسوسات سے ہے، جب اللہ کا وجود محسوس ہوتا ہے تو بندے اور اس کا رشتہ استوار ہوتا ہے، حاکم اور غلام کا رشتہ وجود میں آتا ہے، محسوسات کے بغیر حاکم و غلام کا رشتہ وجود میں نہیں آ سکتا باوجود اس کے کہ اللہ ازل سے موجود ہے، بندہ اللہ کو محسوس نہ کر پائے اس سے اللہ کے وجود پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اللہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔" لان میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا، وہ بول بول کر تھک چکی تھی اور اس سناٹے میں اس کی سسکیاں دراڑیں ڈال رہی تھیں جب وہ بت پاش پاش ہوا تھا اور گھٹنوں کے بل عین اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہنا شروع کیا تھا یکدم اس کی سسکیاں تھم گئی تھیں، خاموش فضا میں ان کی آواز رقص کرنے لگی تھی۔

"پاکیزگی و پاکدامنی کا تعلق بھی محسوسات سے ہے، سمندر میں پانی کے کتنے ہی قطرے جمع ہیں اور ہر قطرہ نہ ناپاک ہے اور نہ ہی پاک، ایسے ہی نہ ہر شرعی رشتہ پاک ہے نہ ہی ہر غیر شرعی رشتہ ناپاک ہوتا ہے، لوگ تو شرعی رشتے کی آڑ میں بھی گناہ کرنے سے باز نہیں آتے اور ہم پر تو

اللہ کا کرم ہے کہ ہم کسی رشتے کے نہ ہوتے ہوئے بھی پاکیزہ زندگی گزارتے رہے اور پاکیزگی کا تعلق جب دیکھنے سے ہے ہی نہیں تو ہماری سوچ و عمل کی پاکیزگی کسی کو کیسے نظر آئے گی؟ لوگ تو اللہ کو محسوس کرنے میں ناکام ہوتے ہیں اس کے وجود سے انکاری ہو کر بت تراش کر بیٹھ جاتے ہیں، لوگ جب اللہ کو نہیں بخشتے تو اس حاکم کے غلاموں کو کیسے بخشیں گے؟ کہ اٹھی انگلیاں کب تک اٹھی رہیں گی تھک کر خود ہی جھک جائیں گی، بس اچھائی و نیکی نہیں جھکنی چاہیے، آپ نے جب کچھ غلط کیا ہی نہیں تو کیوں آزردہ ہیں؟ باطل کبھی حق سے جیتا ہے؟ جیت تو حق کی ہوتی ہے ناں، تو بس حق پر قائم رہیے، اللہ راستے خود بنا دے گا، یہ تو آپ کی آزمائش ہے۔'' وہ بہت نرم حلاوت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''ہم اس آزمائش کے اہل نہیں ہیں خدیج! ہم لوگوں کی نگاہوں میں نفرت، لبوں پر اپنے لئے انگارے اگلتے دیکھ نہیں سکتے۔'' وہ ان کی بات کے درمیان نم لہجے میں بولی تھی۔

''آپ کو لوگوں کی پرواہ ہے، جن سے آپ کا تعلق، ہر واسطہ کب سانسوں کی ڈور کے ساتھ ٹوٹ جائے آپ کو اندازہ تک نہیں ہے، جبکہ آزمائش تو زندگی دینے والے رب کی جانب سے ہے آپ اور ہم تو خوش نصیب ہیں کہ اللہ نے ہمیں اپنی آزمائش و امتحان کے قابل سمجھا، آپ اتنے سے گھبرا گئیں، آپ بھول گئیں آزمائش تو آپ کی دینی ماں حضرت عائشہؓ کی بھی ہوئی تھی، مگر وہ پاکدامن خاتون تھیں، انہوں نے صرف اللہ سے لو لگائی اور اللہ نے ان کی پاکدامنی کو یوں ثابت کیا کہ ہر اٹھی انگلی ٹوٹ گئی، زبانیں بند ہو گئیں اور نگاہیں جھک گئیں اور آپؓ دنیا و آخرت میں سرخرو ٹھہریں، اگر آپ بھی غلط نہیں ہیں، پاکدامن ہیں تو خود اللہ آپ کی پاکدامنی کے ثبوت کے لئے راہیں نکال دے گا اور تہمت صرف آپ پر نہیں ہم پر بھی لگی ہے مگر ہم اپنا فیصلہ اپنے اللہ پر چھوڑ چکے ہیں، اب آپ کی مرضی چاہے جو کریں، صبر سے اللہ کی رحمت کا انتظار کریں یا رو رو کر زمین آسمان ایک کرتے ہوئے حرام موت کو گلے سے لگا کر اللہ کی عدالت میں معتوب ٹھہریں۔'' وہ ان کے سامنے سے اٹھے تھے اور نکلتے چلے گئے تھے جبکہ ان کے الفاظ و لہجے میں کوئی سحر تھا جو اسے باندھ گیا تھا اس کے اندر سے صدا آنے لگی تھی کہ وہ صبر کرے گی، اللہ کی رحمت کا انتظار کرے گی کہ اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے، اس نے آنسو پونچھ لئے تھے اور ڈاکٹر شمسہ اس کے مطمئن ہو جانے والے چہرے کو محض ایک نظر ہی دیکھ پائی تھیں اور شکستگی سی محسوس کرتیں خود کو ان کا مجرم پاتیں، ہارے ہوئے انداز میں دہلیز عبور کر گئی تھیں کہ وہ بہت چاہ کر بھی وہاں اب نہ ٹھہر سکتی تھیں، نہ ہی اپنے کیے کی، اپنی سوچ کی معافی طلب کر سکتی تھیں کہ وہ دونوں ہی اپنا فیصلہ رب پر چھوڑتے انہیں شکستہ چھوڑ گئے تھے۔

☆☆☆

''السلام علیکم!'' چائے پیتے خدیج بخاری نے آواز پر سر اٹھایا تھا اور تین ماہ بعد مشاغل حمید کو سامنے پا کر ان کے چہرے کے عضلات تن سے گئے تھے، جبکہ اماں بی کے ساتھ بیٹھی ہوینا کی رنگت لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی تھی۔

''اب یہاں کیا لینے آئے ہو، اسی وقت یہاں سے اپنی مکروہ صورت لے کر دفعان ہو جاؤ۔'' اماں بی غصہ سے پھنکاری تھیں۔

''پلیز اماں بی غصہ نہ کیجئے، مشاغل

ہمارے مہمان ہیں اور ہم گھر آئے مہمان کو بے عزت نہیں کر سکتے۔'' مشاغل حمید کی رنگت متغیر ہو گئی تھی مگر وہ کچھ بول نہیں پایا تھا مگر وہ جب بولے تھے اپنے مخصوص نرم ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تھے اور اسے بیٹھنے کو کہہ دیا تھا، مشاغل حمید ان کے رکھ رکھاؤ اور نرمی پر خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگا تھا۔

''ہوینا! مجھے معاف کر دیں۔'' اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہاں سے چلی جاتی اور گزری رات کی اذیت اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگی تھی، اس کے آنسو موتیوں کی طرح رخساروں پر لڑھکتے جا رہے تھے کہ وہ اس تک آیا تھا اور اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے اس کے اس عمل پر وہ دونوں ششدر رہ گئے تھے جبکہ اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

''میں نے آپ کے کردار پر انگلی اٹھائی، آپ پر تہمت لگائی، مجھے معاف کر دیں ہوینا۔'' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا کہ حالات بعض اوقات انسان کو اس نہج پر لے جاتے ہیں کہ وہ جلد بازی میں ایسا قدم اٹھا لیتا ہے کہ اس کا عمل پچھتاوا بن جاتا ہے جیسے وہ اپنے عمل پر پچھتاتا آج مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

''شادی کی شب مجھے ایسے میسج موصول ہوئے کہ میں اپنے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت کو ہی فراموش کر گیا۔'' وہ اس کے رونے پر مزید پشیمان ہوا تھا اور بھیگے لہجے میں کہتا چلا جا رہا تھا اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ کوئی اس کی بات سننا بھی چاہتا ہے یا نہیں، وہ لب بھینچے کھڑے تھے اور اس کی سسکیاں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔

''اگر میں آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے کی بجائے اپنے شک کی تصدیق کر لیتا تو حالات یکسر مختلف ہوتے، نہ آپ اذیت میں ہوتیں اور نہ میں پشیمان ہوتا، مگر میں وہ گھٹیا قسم کے میسج پڑھ کر آپ سے اور سر سے بدگمان ہو گیا اور آپ کو نفرت سے دھتکار کر اپنے گھر سے نکل جانے کو کہہ دیا اور میں تین ماہ اسی گھمنڈ میں رہا کہ میں نے ایک بدکردار عورت کو اپنے گھر میں نہ بسا کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے مگر کل رات مجھ پر منکشف ہوا کہ جھول آپ کے کردار میں نہیں، میری نیت میں تھا، میری جلد بازی کا سارا قصور تھا اور کل ہی میرا سارا گھمنڈ چکنا چور ہو گیا اور مجھے اپنا وجود پاتال میں گرا محسوس ہو رہا ہے کہ میں کیسے اتنا اندھا ہو گیا کہ بغیر کسی ثبوت کے ایک عورت پر تہمت لگائی۔'' اس کے لہجے سے یاسیت و پشیمانی عیاں ہو رہی تھی اور وہ اب تک اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور نظر جھکائے کھڑا تھا اور تفصیل بتانے لگا تھا کہ کیسے اس پر تمام حقیقت کھلی، صفدر حیات کا اسی صبح کی شام جب وہ اجڑ کر لوٹ آئی تھی بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں اس کا پورا جسم مفلوج ہو گیا تھا، اس کی دولت اور اس کی دوستیاں اور رشتے کچھ کام نہیں آ رہا تھا، ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا ہر رشتہ اس سے دور ہو گیا تھا اور وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر کسی ناکارہ شے کی مانند پڑا تھا اور وہ اسی ہسپتال میں تھا جس میں ڈاکٹر شمسہ اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں وہ انہی کا پیشنٹ تھا، انہیں ہر گزرتے دن کے ساتھ ہی لگتا تھا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اس کی حالت میں کسی قسم کا سدھار نہ تھا اور دو ہفتے قبل اس کی حالت بہت بگڑ گئی تھی اور اس کے اشارے سمجھتے ہوئے انہوں نے اسے کاغذ پنسل پکڑائی تھی، جس پر اس نے اپنی تمام تر طاقت لگا کر تین نام درج کر دیئے تھے۔

''ہوینا...... خدیج...... مشاغل۔'' وہ ناموں کو دیکھ کر ہی چونک اٹھی تھیں۔

''یہ نام، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں مگر اس کی حالت بگڑنے لگی تھی اور وہ اس کے معالج ہونے کے باوجود اس کا ٹریٹمنٹ نہیں کر پائی تھیں کہ وہ تو ناموں پر الجھی تھیں۔

''بتاؤ مجھے کیسے جانتے ہو انہیں، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' اس کی حالت نظر انداز کیے انہوں نے اس کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے اور اس نے بگڑتی ہوئی حالت کے ساتھ کچھ اشارے کیے تھے جو وہ پریشانی میں محسوس نہیں کر پائی تھیں اور وہ ان کے سوالوں کا جواب دیئے بغیر اذیت سے تڑپتے ہوئے معافی کی خواہش دل میں لئے دنیا سے چلا گیا تھا اور وہ مستقل اس کے بارے میں ہی سوچ رہی تھیں اس کے والدین سے بھی ملی تھیں لیکن سب بے سود رہا تھا اور وہ ایک ہفتہ بیمار رہنے کے بعد پھر سے ہاسپٹل آنے لگی تھیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! کیا آپ اس شخص کو جانتی تھیں جو اس کے دیئے اشارے کو سمجھ گئی تھیں کہ ان ناموں کے ذریعے مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔'' نرس کے ذہن میں جو سوال گردش کر رہے تھے وہ پوچھے بغیر نہیں رہی تھی اور وہ یہ نہیں بولی تھیں کہ وہ اس شخص کو نہیں، ان ناموں کو جانتی تھیں۔

''نہیں اور مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ میں یہ جان نہیں پائی کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتا تھا؟'' وہ یاسیت سے بولی تھیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ نے شاید اس وقت نوٹ نہیں کیا تھا مگر مجھے لگا تھا جیسے وہ موبائل فون کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔'' نرس کی بات پر وہ چونک اٹھی تھیں۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' بے قراری سے بولی تھیں۔

''اس وقت آپ بھول گئی تھیں کہ آپ ڈاکٹر ہیں اور اس مرتے ہوئے شخص کا آپ نے علاج کرنا ہے اسی لئے میں نے ڈاکٹر وارثی کو بلانے کے لئے اپنے سیل فون سے انہیں کال کی تھی، جب میں نے اس کی نگاہیں محسوس کی تھیں اور مجھے یہی لگا تھا جیسے وہ کسی سے بات کرنا چاہتا ہے۔'' نرس آگے بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر ان کے کانوں میں سسکتی ہوئی بھیگی آواز گونج اٹھی تھی۔

''مشاغل ہم سے بہت نرمی و عزت سے بات کر رہے تھے کہ ان کے موبائل پر کال اور میسجز آنے لگے اور پھر ان کا ہم سے رویہ بدل گیا، انہوں نے ہمیں نفرت سے دھتکار دیا۔''

نرس اور ہوینا کی باتیں گڈ مڈ ہونے لگیں اور انہوں نے دوڑ لگا دی، دیوانوں کی طرح بھاگتے ہوئے پارکنگ تک پہنچی تھیں اور ریش ڈرائیونگ کر کے وہ صفدر حیات کے گھر پر موجود تھیں اس کی والدہ انہیں دیکھ چڑ سی گئیں تھیں کہ پہلے ہی انہوں نے ان کا بہت وقت برباد کیا تھا۔

''صفدر کا سیل فون مجھے نہیں پتہ کہاں ہے؟ آپ پلیز یہاں سے جاؤ، اب آپ نے ہمارے گھر آ کر ہمیں پریشان کیا تو ہم پولیس سے رابطہ کریں گے۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی صفدر کے موبائل کا پوچھا تھا تب وہ قدرے غصہ سے بولی تھیں۔

''آپ صرف ایک بار مجھے صفدر کے کمرے میں اس کا موبائل ڈھونڈنے دیں، باخدا اس کے بعد میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کروں گی۔'' انہوں نے باقاعدہ ملتجی انداز میں کہتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور انہوں نے

نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اجازت دے دی تھی، صفدر کا سیل فون اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا ہوا با آسانی مل گیا تھا کیونکہ اللہ نے اس کی بے گناہی اسی طور ثابت کرنی تھی اور جس دن صفدر کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ سیل فون ساتھ نہیں لے گیا تھا کہ ویسے بھی یہ اس کا خفیہ نمبر تھا اسی سے وہ اکثر لڑکیوں کو تنگ کرتا تھا، ڈاکٹر شمسہ نے سب سے پہلے کانٹیکٹ لسٹ اوپن کی تھی مگر انہیں ہوینا کا یا مشاغل کا نمبر نہیں معلوم تھا اس لئے وہ کانٹیکٹ لسٹ میں ان دونوں کے نمبر موجود ہونے کے باوجود پہچان کا مرحلہ طے نہیں کر سکی تھیں اور انہوں نے ڈائل کیے نمبرز اوپن کیے تھے، صفدر نے رات کے ڈھائی بجے کانٹیکٹ لسٹ میں ''رقیب'' کے نام سے محفوظ نمبر پر تین مسڈ بیلز دی تھیں کہ کال ریسیو نہیں کی گئی تھی، انہوں نے ڈیٹیلز کو بغور دیکھا دوبارہ ریڈ کیا تھا اور تاریخ انہیں چونکا گئی تھی کیونکہ سولہ اگست کو وہ خدیجہ بخاری سے بچھڑی تھیں اس لئے یہ تاریخ انہیں فراموش نہیں ہوتی تھی اور جس صبح انہوں نے اسے بخاری ولاز چھوڑا تھا اس دن سولہ اگست تھی اور آخری کی گئی کال سولہ اگست دو بج کر پینتیس منٹ کی تفصیل ظاہر کر رہی تھی، ان کا ذہن کچھ اور ہی سوچنے لگا تھا وہ اصل بات کی تہہ میں تقریباً اتر گئی تھیں اور کچھ سوچ کر اب انہوں نے میسجز اوپن کیے تھے اور جیسے جیسے ''رقیب'' کے نمبر پر سینڈ کیے میسجز وہ پڑھتی جا رہی تھی ان کے چہرے کی رنگت بھی بدلتی جا رہی تھی، کہ میسجز پر انتہائی گھٹیا الفاظ لکھے گئے تھے ایک کے بعد ایک میسج اوپن کر کے انہوں نے پانچ میسجز پڑھے تھے جبکہ جسے بھیجے گئے تھے اس نے آخر کے دو میسج تو پڑھے ہی نہ تھے کہ تین میسجز ہی اسے بدگمان کر گئے تھے ایک کے بعد ایک میسج اوپن کرتے ہوئے چھٹا میسج انہوں نے اوپن کیا تھا۔

''شینا ڈارلنگ! میں نے جو سوچا تھا وہ انجام بھی دے گیا ہوں کہ جس لڑکی پر صفدر حیات کا نظر انتخاب ٹھہرا تھا وہ اگر صفدر حیات کی بانہوں میں نہیں آ سکتی تو اسے اتنی آسانی سے کسی اور کا بھی بننے نہیں دوں گا کہ میں تو اس کے حسن کے جلوے سوچ سوچ کر بے بسی محسوس کروں اور وہ میرا رقیب جو اسے لے اڑا ہے اس کے ساتھ مزے کرے تو ایسا نہیں ہوگا کہ جو کچھ میں اس کو میسج کے ذریعے کہہ چکا ہوں اس کے بعد بھی عزت سے تو کیا نفرت کے ساتھ بھی اپنے گھر میں بسائے گا تو اس سے بڑا بے غیرت دنیا میں نہ ہوگا۔'' ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے کہ وہ بے خیالی میں وہ ٹیکسٹ بھی پڑھ چکی تھیں جو شینا کو کیا گیا تھا، انہوں نے خود کو بہت ملامت کی تھی کہ انہیں خود میں اور صفدر حیات میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ہوینا بخاری کی کردار کشی کی تھی اور انہوں نے خدیجہ بخاری کی وہ سیل فون اپنے ساتھ لے آئی تھیں اور اپنے نمبر سے رقیب کا نمبر ڈائل کیا تھا اور اس سے مل کر سیل فون اسے دے دیا تھا ان کی ہی مانند مشاغل حمید بھی منہ کے بل گرا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں ہوینا۔'' جیسے ہی تمام تر تفصیل کا اختتام ہوا تھا کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا اور سناٹے میں اس کا رونا بلکنا دراڑیں ڈالتا جا رہا تھا کہ وہ ہارے ہوئے شکستہ انداز میں گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں جھک گیا تھا اور نہ صرف اپنے جرم کی معافی لبوں سے مانگی تھی اس کے پاؤں بھی پکڑ لئے تھے۔

''میں آپ کا گناہ گار ہوں ہوینا، مجھے بخش دیں۔'' وہ اس کے پاؤں پکڑے بچوں کی طرح رو رہا تھا کہ وہ دو قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

''ہم انہیں معاف نہیں کر سکتے، معاف نہیں کر سکتے۔'' وہ اذیت زدہ لہجے میں بولی تھی اور وہ اپنے آنسو صاف کرتے اس تک آ گئے تھے۔

''ہم نے آپ سے کہا تھا ناں کہ اللہ سب سے بڑا منصف ہے وہ ضرور ہمارے ساتھ انصاف کرے گا، آپ کو آپ کے صبر کا پھل مل گیا ہے ونی اور جس اللہ کے لئے آپ نے صبر کیا تھا اسی اللہ کے لئے مشاغل کو معاف بھی کر دیں کہ اللہ معاف کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔'' ان کا وہی نرم عاجزانہ سا انداز تھا وہ رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی، اس کی آنکھوں میں واضح شکوہ تھا اور وہ اس کی آنکھوں کی تحریر پڑھتے دھیمے سے مسکا دیئے تھے۔

''ہم آپ کی جگہ ہوتے تو تب بھی ہم اتنی آسانی سے اپنے مجرم کو معاف کر دیتے۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں کی تحریر زبان سے کہی تھی اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے۔

''ہاں کیونکہ کردار کشی صرف عورت کی نہیں ہوتی کہ انگلیاں اٹھانے والے مرد کے بے داغ کردار کو بھی اپنے شک کی آگ سے جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں جس اذیت سے آپ محض چار ماہ گزری ہیں ہم نے یہ اذیت چھ سال برداشت کی ہے۔'' ان کی آنکھیں یکدم لہو رنگ ہو گئی تھیں اور وہ تینوں ہی انہیں دیکھنے لگے تھے۔

''اور پھر بھی ہم انہیں معاف کر چکے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور اس منصف نے جب انصاف کر دیا ہے ہمیں اپنی رحمت سے بندوں کی عدالت میں بھی سرخرو کر دیا ہے تو ہم کیوں اپنے رب کی نافرمانی کے مرتکب ہوں کہ ہمارا اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ہماری دی ایک معافی اگر ہمیں ہمارے اللہ کے قریب کر سکتی ہے اس کے پسندیدہ لوگوں کی صف میں جگہ دے سکتی ہے تو ہزار تو لاکھوں اذیتیں بھی فراموش کی جا سکتی ہیں اور ہم نے اپنے رب کی رضا کے لئے انہیں معاف کر دیا ہے اور آپ مشاغل کو معاف کرتی ہیں یا نہیں، یہ آپ کا ذاتی فعل ہو گا، بس ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ خوش رہیں۔'' ان کے خوبرو چہرے پر سکون واطمینان رقم تھا اور انہوں نے فیصلے کی ڈور انہیں سونپ کر بات ہی ختم کر دی تھی اور اس نے اپنے سر پر ٹھہرے ان کے دست شفقت پر سکون سے ایک فیصلہ لے لیا تھا کہ جب وہ اتنے اچھے اور پرسکون تھے تو ان کی پرورش و تربیت انہی کے ہاتھوں میں ہوئی تھی اس لئے وہ ان کی سوچ کی مخالفت نہیں کر پائی تھی اور مطمئن سی ان کی روش پر چل پڑی تھی کہ یہی سیدھا اور فلاح کا راستہ تھا۔

☆☆☆

''ہم نے آپ کو معاف کی رمشہ!'' ان کے الفاظ کیا تھے اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی کہ اس نے جس وقت انہیں ایک ٹیکسٹ کیا تھا تو اسے امید نہیں تھی کہ وہ آ جائیں گے اور اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر بولے تھے۔

''آپ کی پکار پر ہم سے رہا نہیں کیا، ہم آپ کے بلانے کے سبب اور مقصد سے انجان صرف یہاں تک اس لئے آئے کہ آپ کو انتظار کی اذیت نہیں سونپنا چاہتے تھے۔'' وہ انہیں دیکھ کر کچھ بول نہیں پائی تھی کہ وہ اپنے ازلی سنجیدہ لہجے میں شروع ہو گئے تھے اور اس کے آنسو گرنے لگے تھے کہ وہ اس کے بلانے کا مقصد ہی جان گئے تھے اور وہ ندامت سے کوئی معافی کے لئے اپنے منہ سے کوئی لفظ ادا کرتی کہ وہ اسے معافی نامہ ہی دے گئے تھے۔

''یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟'' ان کے خود ہی

بنا معافی طلب کیے معاف کر دینے پر وہ خود کو بہت چھوٹا سمجھنے لگی تھی اور وہ جو جانے لگے تھے ان کے پاؤں جکڑ گئے تھے اور وہ تو اپنے پورے وجود سے کانپ اٹھے تھے۔

''میں آپ کی مجرم ہوں خدیجہ، گناہ سرزد ہوا ہے مجھ سے، مجھے یوں اتنی آسانی سے معاف نہ کریں، مجھے سزا دیں کہ میرا گناہ معافی کے لائق نہیں ہے۔'' وہ اس سے اپنے پاؤں چھڑاتے فاصلے پر ہوئے تھے اور وہ بلکتے ہوئے کہتی چلی گئی تھی۔

''آپ خود کو ہمارا مجرم مانتی ہیں ہوسکتا ہے ایسا ہو مگر ہمارے دل کی عدالت میں آپ ہمیشہ سرخرو رہی ہیں اور جب ہمارا دل ہی آپ کو مجرم نہیں مانتا، تو ہم دماغ کی خاطر کیسے آپ کو مجرم تسلیم کر کے سزا دے ڈالیں کہ آپ کو سزا دینے کا مطلب ہے خود کو سزا دینا اور ہم تو پچھلے کئی طویل سالوں سے سزا جھیل رہے ہیں، مزید کسی سزا کسی تکلیف و آزار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔'' وہ جذباتی لہجے میں اذیت کے رنگ سجائے کہتے چلے گئے تھے اور وہ رونا بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''درد جتنا گہرا ہوتا ہے، محبت اتنا ہی اثر رکھتی ہے اور ہم نے تو آپ سے ہر سود و زیاں کے امتیاز کو بھلا کر محبت کی تھی، آپ نے جب تک محبت کا جواب محبت سے دیا ہم آپ کے رہے اور جب آپ کی محبت نے نفرت، بدگمانی و شک کے رنگ اپنائے ہم تب بھی آپ کے ہی رہے کہ بدگمان تو آپ ہوئیں تھیں، ہماری محبت، ہمارے کردار پر تو آپ کو شک تھا، ہمیں نہیں، تو ہم کیسے آپ کی محبت دل سے نکال کر آپ کو فراموش کر دیتے؟'' وہ اس کی آنکھوں کی بے یقینی کو پڑھتے ہوئے آزردگی سے بولے تھے۔

''آپ میری بدگمانی کو دور تو کر سکتے تھے؟ مجھے بتا سکتے تھے ناں کہ میں غلط ہوں۔'' وہ ان کے عین سامنے آن رکی تھی۔

''آپ کو ہم پر ہماری محبت پر اعتبار نہیں تھا، ہماری خاموشی پر آپ کو اعتبار نہ آیا تو آپ ہماری زبان سے نکلے کسی لفظ پر اعتبار کر لیتیں؟'' وہ سرخ آنکھوں سے ان کے متورم چہرے کو دیکھتے دلگرفتگی سے سوال کر گئے تھے اسے برزخ میں اتار گئے تھے۔

''مجھے اعتبار کرنا محبت کرنا ہی نہیں آیا، میں آپ سے محبت کرنے کے باوجود شک کی اندھی آگ میں جھلستی آپ کو خود سے دور کر گئی، اتنے سال آپ سے دور رہی، بدگمان رہی، کبھی خیال آیا بھی کہ آپ ایسے نہیں ہیں، آپ ایسے ہو نہیں سکتے، اپنے ہی خیال کو جھٹک کر بدگمانی کو مضبوط کرتی رہی، آپ سے بیک وقت محبت و نفرت کرتی رہی، ہوینا سے نفرت کرتی رہی اس کے لئے بددعائیں کرتی رہی۔'' وہ ان کے قدموں میں ہی گرتی چلی گئی تھی۔

''میں نے آپ سے بہت محبت کی تھی اور جب آپ ہوینا کے لئے اپنی فکر دکھاتے تھے تو مجھے اچھا نہیں لگتا تھا مگر میں نے کبھی ظاہر ہی نہیں کیا اور جب آپ نے مجھ سے شادی سے انکار کیا تو مجھے لگا کہ میرے خدشے جیت گئے، ہوینا نے آپ کو مجھ سے چھین لیا ہے۔'' وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی اور وہ دو قدم پیچھے لے گئے تھے اور ضبط سے اس کو سن رہے تھے۔

''آپ کی آنکھوں میں صرف میں رہنا چاہتی تھی اور جب آپ نے شادی سے انکار کیا تو میں نے وہ تمام اسباب گھڑ لئے جو سوچ تک نہ تھے اور میرے لگائے ہر الزام کو آپ نے خاموشی سے سن لیا، میں آپ کی طرف سے بے اعتبار و بے یقین ہو گئی تھی تو آپ نے بھی مجھے یقین و

اعتبار سونپنے کی کوشش نہ کی۔" وہ نم آنکھوں میں شکوے لئے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"ہم آپ کی سوچ سے انجان تھے، نہیں جانتے تھے کہ آپ ونی کے بارے میں کس طرح سوچتی ہیں کہ وہ تو اس وقت محض میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھیں، ہم انہیں ایک بچی کی طرح ٹریٹ کرتے تھے، وہ دنیا میں ہمارا واحد رشتہ ہیں اسی لئے ہم ہمیشہ ان کے لئے فکر مند رہے، آپ ان کے لئے کس حد تک غلط گمان کرتی ہیں یہ تو ہمیں اس دوپہر پتہ چلا جب ہم نے آپ سے شادی نہ کرنے کی بات کی، ہم تو حیران رہ گئے تھے کہ ہمارے انکار سے ونی کا کیا تعلق؟ اور جب آپ نے ونی اور ہمارے متعلق مغلظات اپنی زبان سے نکالے تو ہمارے دل نے خواہش کی تھی کہ زمین پھٹے اور ہم اس میں سما جائیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا رمشہ! آپ کہتی رہیں اور ہم سنتے رہے، ہم نے وہ سب سنا جو ذہن و دل کے پردے پر کبھی نہیں لہرایا تھا مگر ہم نے اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہا کہ اپنی صفائی پیش کر دیتے تو آپ شرمندہ ہوتیں اور ہم آپ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔" وہ ان سے قدرے فاصلے پر کارپٹ پر گر سے گئے تھے۔

"آپ کو صفائی پیش کر دیتے تو آپ شادی کا مطالبہ کرتیں، ہم سے شادی نہ کرنے کا جواز مانگتیں جو ہم نہیں دے سکتے تھے اس لئے آپ کو بدگمان ہی چھوڑ کر آپ سے جدا ہو گئے، لیکن آپ کی جدائی نے ہمیں جتنا نہیں مارا، جتنا آپ کے لفظوں آپ کے شک نے ہم سے لمحہ لمحہ جینے کا حق چھینا ہے، آپ اتنی بے رحم کیسے ہو سکتی ہیں رمشہ، کہ آپ نے یوں ہمیں اپنی نظروں سے گرا دیا؟ خود کو ہم سے چھین لیا؟ ہمیں اذیتوں کے حوالے کر دیا، ہم سے ہماری ونی کو چھین لیا، وہ ونی جو ہمارے چاچا کی بیٹی تھیں، جنہیں ہم بیٹا کہتے تھے، جو ہمارے ہاتھوں میں پلی بڑھی تھیں، ہمارا ہاتھ ان کے سر پر دست شفقت بن کر ٹھہرتا تھا اور آپ نے محض اپنے شک و بدگمانی کے سبب ونی کو بے سائباں کر دیا، ہم نے ان سے نرم لہجے میں بات کرنی چھوڑ دی، ان کے سر سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، وہ ہماری طرف لپکتی رہیں اور ہم ان سے کنارہ کشی کرتے گئے اور پھر بھی ہماری ذات ہمارا کردار پھر سوال بن گیا، شاغل حمید پر بھروسہ کیا اور انہوں نے بھی آپ کی روش اپنائی، ونی کو بے اعتبار کر ڈالا، ہم کہا غلط تھے رمشہ؟ جو ہمارے ساتھ آپ نے اور شاغل نے اتنی سنگدلی دکھائی ہمارا ہر سانس ہمارے لئے آزار بنا دیا۔" ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

"آپ کو کھونے سے ڈرتی تھی اور جب آپ نے جدائی کا پروانہ تھمایا تو مجھے یہی لگا کہ آپ ہوینا کی وجہ سے مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے میرے سوچنے، سمجھنے کی ہر صلاحیت ہی مفلوج ہو گئی تھی۔" وہ سسک اٹھی تھی۔

"اور ایسی کیا بات تھی کہ آپ نے میری غلط فہمی دور نہ کی، بتائیے مجھے کیوں کیا تھا آپ نے مجھ سے شادی سے انکار کہ آج آپ کو میں چپ نہیں رہنے دوں گی، آپ کی خاموشی کی میں نے پہلے ہی بہت سزا جھیلی ہے، صفدر حیات کے موبائل فون کے ذریعے سچائی مجھ پر نہ کھلتی تو مزید جھیلتی رہتی، دنیا تو اپنی خراب کر ہی لی تھی، دو پاک باز لوگوں پر بہتان باندھنے کے سبب میری آخرت بھی خراب ہوتی۔" اس کے رونے میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔

"ہم نے آپ کو معاف کر دیا ہے اور اللہ سے دعا کریں گے کہ آپ کو معاف کر دیں۔" وہ آستین کے کف سے آنسو رگڑتے کھڑے ہو گئے

تھے۔

''جواب دیئے بغیر نہیں جا سکتے آپ خدیجہ!'' وہ ان کا بازو تھام گئی تھی۔

''گزرا وقت آ نہیں سکتا رمشہ! جو ہوا اسے بھول جایئے اور یہ یقین رکھیئے گا کہ آپ کے ہر الزام نے کیسے ہی ہمارا جگر چھلنی کیا ہو، آپ کے الفاظ کی بازگشت ہماری نیند کی راہ میں آتی رہی ہو ہم نے آپ کے لئے کبھی دست بد دعا بلند نہ کیا، ہمیشہ اللہ سے آپ کے لئے دعا کی، ہم نے مشکل وقت کو اللہ کی رضا جان کر گزارا اس لئے آپ کو معاف کرنے نہ کرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔'' وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے چلے گئے تھے۔

''ہم آپ کے اطمینان کے لئے ذہن و دل کی سچائی و آمادگی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے آپ کو معاف کیا، آپ خود کو ہمارا مجرم سمجھنا چھوڑ دیں۔'' وہ نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا گئے تھے۔

''خاموشی اور ایثار ہر مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتے خدیجہ اور آپ نے جو غلطی چار سال پہلے کی تھی اس کو دہرا رہے ہیں، مجھے میری الجھنوں کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں، جبکہ سوال کے جواب نہ ملیں تو بدگمانی کو جنم دیتے ہیں، پہلے شاید میری محبت کی شدت نے مجھے آپ سے بدگمان کر دیا تھا اور ایسا پھر ہوا تو اس میں آپ کی اچھائی کا ہاتھ ہوگا۔'' اس کی نم مگر بھاری آواز پر ان کے قدم تھم گئے تھے۔

''جب آپ کو پہلی دفعہ یونیورسٹی میں دیکھا تھا ہم نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ سے ہی شادی کریں گے اسی لئے تو ماں جی کی شال آپ کو دی تھی۔'' وہ ان دونوں کی یادوں ان خوشگوار لمحات میں کھوسے گئے تھے۔

''مگر ہم نے سوچا بھی نہیں تھا کہ قسمت ہمارے ساتھ اتنا بھیانک مذاق کرے گی، ہمیں اپنی خواہشات، اپنے ارمان اپنے ہی قدموں تلے روند کر آپ سے اپنی راہیں الگ کرنی پڑیں گی۔'' انہوں نے اذیت سے اپنے لب بھینچ کر گویا خود کمپوز کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''آپ کی خوشیوں، آپ کی آسودگی اور آپ کے وجود کی تکمیل کے لئے ہمیں ایک ایسا فیصلہ لینا پڑے گا کہ ہم اندر سے مر جائیں گے مگر ہم نے آپ کے لئے اپنا نہیں سوچا، ہمارے ساتھ میں آپ کی نا آسودگی پھن پھیلائے بیٹھی تھی اس لئے ہم نے آپ سے کہہ دیا کہ ہم آپ سے شادی نہیں کر سکتے کہ رمشہ ہم ایک حادثے میں بہت بڑی کمی کا شکار ہو گئے تھے اور ہم سے شادی کے بعد جس کی آپ بھی شریک بن جاتیں اور یہ ہمیں گوارہ نہیں تھا رمشہ، کہ ہم آپ کو دھوکا دیتے، آپ کو آپ کے حق سے محروم کر دیتے۔'' ان کے چہرے پر اذیت کا جال بچھا ہوا تھا۔

''ہم باپ نہیں بن سکتے رمشہ۔'' اس نے یکدم ان کے چہرے کی جانب دیکھا تھا ان کا چہرہ آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں اور وہ اس وقت ایسی اذیت سے گزر رہے تھے جیسی اذیت انہوں نے یہ روح فرسا خبر سن کر محسوس کی تھی اور وہیں کھڑے کھڑے مر سے گئے تھے۔

''اور ہم آپ کو اپنی کمی کا شریک نہیں بنا سکتے تھے اس لئے شادی سے انکار کیا اور آپ نے ہماری تکلیف کو جانے بنا ہمارے اقدام کو سمجھے بنا ہمیں اپنی ہی نہیں خود ہماری نظروں سے بھی گرا دیا، آپ کے الزام پر جتنا دکھ نہیں ہوا تھا جتنی تکلیف ونی کے حوالے نے دی تھی اور جب جب آپ کے الفاظ کی بازگشت بڑھی ہم نے سوچا کہ ہم آپ کو معاف نہیں کر پائیں گے کہ

آپ نے ہم سے ہمارا واحد رشتہ چھین لیا تھا لیکن جب آپ نے ٹیکسٹ کیا کہ آپ ہم سے ملنا چاہتی ہیں ہم آپ کے گھر آ جائیں تو ہم انکار نہیں کر سکے آپ کا مان نہیں توڑ سکتے تھے۔'' وہ لب اور مٹھیاں بھینچے خود کو کمپوز کرنا چاہ رہے تھے۔

''آپ کی اچھائیاں تو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں خدیجہ، بس ہم ہی آپ کی قدر نہیں کر سکے اور چاہے آپ نے ہمیں بد دعا نہ دی ہو مگر آپ کی دعا خاموش آہ ہمیں لگ گئی، آپ ہمیں آسودہ دیکھنا چاہتے تھے لیکن آسودگی ہم سے دو ماہ میں ہی روٹھ گئی، کہ ہم نے آپ پر بہتان باندھا تھا آپ نے چاہے کچھ کہا نہیں مگر اللہ تو سب سے بڑا منصف ہے اس نے ہمیں سزا دی، آپ سے جدا ہونے کے اگلے ماہ ہی ارشد سے شادی کر لی تھی کہ دل کے نہ چاہتے ہوئے بھی بابا کے جڑے ہاتھوں کا مان میں نے رکھ ہی لیا تھا مگر محض دو ماہ بعد ارشد ایک کار ایکسیڈنٹ میں مجھے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ کر چلے گئے، وہ وقت جیسے میں نے گزارا یہ بس میں ہی جانتی ہوں کہ اس معاشرہ میں اکیلی عورت کا جینا جیسے ناممکن سا ہو گیا ہے، میری بیوگی کا صدمہ بابا جھیل نہیں سکے تھے وہ فقط تین ماہ بعد ہی مجھے چھوڑ گئے، مجھے کوئی خدیجہ نہ مل سکے جو میرے لئے سائبان بن جاتے، مجھے دنیا کی میلی نظروں سے بچا لیتے کہ میں ہوینا کی طرح خوش نصیب نہیں تھی، میری مشکلات خود میری خریدی ہوئی تھیں اور میں نے اکیلے ہی دنیا کا مقابلہ کیا، میرے بچوں کے دنیا میں آنے سے ان کی دیکھ بھال و تربیت تک ہر کام میں نے اکیلے کیا، جب گرنے لگتی تو خود ہی سنبھل گئی مگر جب مجھ پر حقیقت منکشف ہوئی تو احساس ہوا کہ رشتے انسان کے لئے کتنی بڑی اماں ہوتے ہیں اور بے اماں ہو جانے والی ہوینا بخاری کو آپ نے کن حالات میں سائبان بخشی تھی، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا خدیجہ کہ میں نے آپ کو اور ہوینا کے بارے میں غلط گمان کیا، آپ کے پاکیزہ رشتے کو اپنی سوچ کی گندگی سے پراگندہ کر دیا، میں جان گئی ہوں کہ رشتے تو احساس کے انسانیت کے ہوتے ہیں کہ خون کے رشتے بھی کس طرح بدل جاتے ہیں خوب جان گئی ہوں کہ آپ نے ہوینا سے کزن کا رشتہ بھی یاد رکھا اور اللہ کے احکامات و ہدایات بھی فراموش نہ کیں اور میرا سگا ماں جایا، خون کا رشتہ بھی بھول گیا، اسے اللہ کے احکامات بھی یاد نہ رہے میں یہاں بے اماں اپنی آبرو کی جنگ اکیلے ہی لڑتی رہی اور میرا بھائی وہاں دیار غیر میں بسا رہا میری کسی پکار پر لوٹ کر نہیں آیا کہ اس کے اندر کا احساس ہی مٹ گیا ہے اور اسی لئے میں خود اکیلے ہی اپنا اور اپنے بچوں کے سروائیول کی تگ و دو میں لگی ہوں۔'' وہ بری طرح بلک رہی تھی۔

''کیونکہ یہی مکافات عمل ہے، انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، میں نے آپ کے اور ہوینا کے لئے کانٹے بوئے جو میرے ہی دامن سے آن لپٹے ہیں۔'' اس کی گریہ و زاری بڑھتی جا رہی تھی کہ اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو گیا تھا۔

''ہم نے تو صرف عزت و محبت کے بیج کاشت کیے تھے تو ہم نے کیوں نفرت و شک کی فصل کاٹی؟'' اس کا رونا ان کی برداشت سے باہر تھا مگر وہ بہت ضبط و حوصلہ سے کام لیتے رہے تھے کہ یکدم اس کو کاندھوں سے تھام کر جھنجھوڑتے سوال کر گئے تھے۔

''یہ آپ کی آزمائش تھی خدیجہ! جس میں آپ کھرے اترے ہیں اور ہم شکست کھا گئے

اسی لئے آج خود سے آپ سے ہو بنا سے نظر تک ملانے کے قابل نہیں رہے۔'' مستقل رونے سے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

''مصائب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں رمشہ، کہ اللہ کو مصیبت یا راحت دینے کے لئے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ اس کے شانے آزاد کرتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''مکافات عمل اور آزمائش کا تعلق صرف ہماری سوچ سے ہے، کسی مصیبت پر ہماری سوچ کہتی ہے کہ یہ آزمائش ہے اور کوئی مصیبت ہمیں ہمارے لئے کی سزا لگنے لگتی ہے، جبکہ درحقیقت ہر چیز، ہر مصیبت، ہر راحت صرف اللہ کا فیصلہ، اس کی مرضی ہوتی ہے، آپ کا ہماری زندگی میں آنا اللہ کی رضا تھا، آپ کا چلے جانا بھی اللہ کی رضا تھا، آپ کا ارشد کی بیوی بننا، ان کا اور آپ کا ساتھ طویل نہ ہونا یہ بھی اللہ کی رضا تھا جسے آپ سزا سمجھ رہی ہیں کہ یہ آپ کی آزمائش بھی تو ہوسکتی ہے اور ہم بھی تو کوئی فرشتہ نہیں ہیں، نہ جانے دن بھر میں کتنی غلطیاں، کتنے گناہ کرتے ہیں پتہ نہیں ہمارا کون سا عمل ہمارے اللہ کو پسند نہ آیا ہو اور اس کے عوض ہمیں ذلت کے روپ میں سزا ملی ہو۔'' وہ رونا بھول کر ان کو دیکھنے لگی تھی۔

''ہم اللہ کی حکمت اس کی مصلحت تک نہیں پہنچ سکتے رمشہ، تو ہم کیسے ہی خود سے مکافات عمل اور آزمائش کی پریشانیاں تراش لیتے ہیں جبکہ اللہ صرف لے کر تو نہیں آزماتا، دے کر بھی تو آزماتا ہے، کبھی اولاد کا نہ ہونا آزمائش تو کبھی اولاد کا ہونا سب سے بڑی آزمائش۔'' وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں ایقان کی شدت سے کہہ رہے تھے۔

''جو ہوا اسے بھول جائیے کہ وہ سب ویسے ہی ہونا تھا کہ وہ سب آپ کی اور ہماری تقدیر لکھنے والے اللہ کی رضا تھی اور دعا سے صرف تقدیر بدلتی ہے، اس لئے اللہ کی رضا میں راضی رہنا سیکھیے زندگی خود بہ خود سہل ہو جائے گی۔'' وہ اپنے آنسو پونچھ گئے تھے اور تب ہی کسی ننھی پکار پر رمشہ متوجہ ہوئی تھیں جبکہ وہ بری طرح چونک اٹھے تھے، آواز کی جانب رخ کیا تھا، بے بی پنک کلر کی خوبصورت سی فراک میں گلابی چہرے والی وہ تقریباً پانچ سال کی بچی دوڑ کر رمشہ کے پیروں سے لپٹ گئی تھی جسے رمشہ نے اپنی گود میں اٹھا لیا تھا۔

''خدیج! یہ آمنہ ہے میری بیٹی۔'' رمشہ نے بھیگے لہجے میں تعارف کی رسم نبھائی تھی خدیج بخاری نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا اس کے متورم چہرے پر نرمی سی پھیل گئی تھی۔

''ہم سے شادی کریں گی رمشہ؟'' وہ جو بیٹی کی کسی بات کی وجہ سے پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی ان کی بات پر بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ نامکمل ہم ہیں رمشہ، کچھ کمیاں آپ میں ہوں گی اور ہم ایک دوسرے کی کمیوں کو بانٹ لیں گے، آپ ہماری کمی کے ساتھ سمجھوتہ کر لیجئے گا اور ہم آپ کے رشتوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں گے۔'' وہ نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہر بات کہہ گئے تھے، خود سمجھوتہ کرنے ان کی بیٹی کو اپنانے کے لئے تیار تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ وہ ان کی کمی کو بھی اپنا لیں۔

''ہم آپ کے لائق نہیں ہیں خدیج!'' اس کی آنکھوں سے پھر اشک رواں ہو گئے تھے۔

''یہی تو ہمیں لگا تھا رمشہ کہ ہم آپ کے لائق نہیں ہیں اس لئے خود آپ کی زندگی سے نکل گئے تھے جس طرح ہم نے سوچا اور فیصلہ کیا ویسے ہی آپ بھی سوچ کر فیصلہ کریں گی تو ہم ایک بار

پھر الگ ہو جائیں گے اور اب کے ہم آپ کو کھونا نہیں چاہتے رمشہ۔'' ان کے لہجے میں یاسیت ہی نہیں جذبے بھی بول اٹھے تھے، وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھیں اور ٹھوکریں کھا کر انسان کی اتنی تو پرکھ آ گئی تھی کہ وہ ان کی آنکھوں سے ہی جان گئی تھیں کہ وہ یہ فیصلہ آج بھی صرف ان کی خوشی کے لئے لے رہے تھے اور یہ احساس اس کو بے چین کر گیا تھا کہ جس شخص کو اس نے محبت کے نام پر ذلیل کیا تھا وہ آج بھی ان پر مہربان تھا۔

''پلیز رمشہ! ہاں کہہ دیں کہ ہم آپ کی بیٹی کو اپنی بیٹی کی طرح چاہے چاہ نہیں سکیں گے لیکن ان کے احترام وعزت میں کبھی کمی نہیں آنے دیں گے، ونی کی طرح ان کو پیار وعزت سے بہتر زندگی فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، بس آپ ایک بار ہم پر اعتبار تو کر کے دیکھیں؟''

وہ دھیمے سے لہجے میں ملتجی ہوئے تھے اور وہ خود کو بہت چھوٹا محسوس کرنے لگی تھی کہ اس شخص نے ان سے آج بھی اپنے لئے کچھ نہیں مانگا تھا اور انہوں نے مسکرا کر اقرار کر لیا تھا کہ وہ ان کی اچھائی کی ہی نہیں تقدیر کی بھی معترف ہو گئی تھی اور اس کی تقدیر میں ان کا ساتھ اسے ہی لکھا تھا اس لئے وہ راضی ہو گئی تھی کہ اس پر یہ راز بھی عیاں ہو گیا تھا کہ اس کی بیٹی کے لئے خدیج بخاری کے علاوہ کوئی شجر سایہ دار نہ تھا کہ جس کی اماں میں وہ اور ان کی بیٹی سکھ وعزت سے رہ سکیں، ان کو مسکراتے دیکھ کئی برسوں بعد وہ بھی مطمئن سے مسکرا دیئے تھے کہ ان کے اقرار پر انہیں یہی لگا تھا کہ اللہ ان سے راضی ہے اسی لئے ان پر ایک اور ذمہ داری ڈال دی ہے وہ سرخروئی کی دعا دل میں کرتے رمشہ کی گود سے آمنہ کو لے لیا تھا اور اس ننھی پری کو گود میں لیتے ہوئے انہیں یہی احساس ہوا تھا

کہ جیسے وقت بہت پیچھے چلا گیا ہو اور انہوں نے ہو بہو بینا بخاری کو لیا ہو، ان کی آنکھیں احساس تشکر سے بھیگتی چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

''سال نو مبارک ہو خدیج۔'' وہ گزرے دو سالوں میں اور بھی حسین ہو گئی تھی وہ اس کی آواز پر پلٹے تھے اور اس کے سامنے آ کر دلکشی سے کہنے پر مسکرا دیئے تھے۔

''آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو، اللہ آپ کو یہ سال مبارک کرے، یہ سال آپ کا دامن خوشیوں سے بھر دے۔'' انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔

''آمین۔'' رمشہ مسکرا کر ان دونوں کے پاس آن ٹھہری تھی اور وہ خدیج بخاری کے سامنے سے ہٹ کر رمشہ سے ملنے لگی تھی۔

''شاغل بھائی کہاں ہیں؟'' رمشہ کا انداز شرارت لئے ہوئے چھیڑنے والا تھا۔

''آئے تو ہم ان کے ہی ساتھ ہیں مگر وہ اندر کیوں نہیں آئے پتہ نہیں، ہم جا کر دیکھتے ہیں۔'' وہ جھینپ کر کہتی جانے کے ارادے سے پلٹی تھی کہ شاغل حمید کو آتے دیکھ رک گئی تھی کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے اور آمنہ کی انگلی تھامے وہیں چلا آیا تھا۔

''باہر نئے سال کا جشن منانے کے لئے لوگوں نے جو پٹاخوں اور پھلجڑیوں کا انتظام کیا ہوا ہے ان دونوں شرارتیوں کی ضد پر وہی دیکھتے رک گیا تھا، آپ ناحق میری تلاش میں نہ نکلیں کہ میں لوٹ آیا ہوں۔'' شاغل کا انداز نہایت لاپرواہ اور شرارت کا عنصر اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔

''یہ اللہ کا ہم پر کرم تھا کہ ہم دونوں ہی وقت پر لوٹ آئے تھے۔'' رمشہ کی آنکھیں بھیگنے

لگی تھیں۔

''آج سال کا پہلا دن ہے، ہم صرف اچھے دنوں کو یاد کریں گے تاکہ پورا سال ہمارا احساس تشکر میں گزرے۔''

''خبردار جو آپ دونوں میں سے کسی نے کوئی فضول سی بات سے خوشگوار لمحات کو پھیکا کرنا چاہا۔'' وہ ڈپٹنے والے انداز میں مدبرانہ لہجے میں بولی تھی۔

''جو حکم ملکہ عالیہ!'' شاغل کی بات پر وہ جھینپ گئی تھی اور وہ دونوں مسکرا دیئے تھے، رمشہ ان کو دیکھنے لگی تھی جو ہوینا کے دو سالہ بیٹے کو پیار کرتے، آمنہ کی جانب بھی متوجہ تھے کہ وہ ان سے کوئی فرمائش کر رہی تھی اور وہ مسکرانے لگے تھے، گزرے تین سالوں کے لمحہ لمحہ نے انہیں احساس دلایا تھا کہ ان کا فیصلہ درست تھا۔

''آپ خدیجہ کو ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں، نظر لگانے کا ارادہ ہے۔'' ہوینا نے اس کی چوری نہ صرف پکڑی تھی متبسم لہجے میں بھانڈا بھی پھوڑ دیا تھا اور وہ خفیف سی ہو کر نگاہ جھکا گئی تھی، وہ ان کے شرمائے ہوئے چہرے کو دیکھ مطمئن سے مسکرا دیئے تھے کہ وہ اپنی ہی نہیں ہوینا کی زندگی سے بھی مطمئن تھے کہ شاغل حمید نے اپنے برے رویے کی نہ صرف معافی مانگی تھی گزرے سالوں میں اس کا ازالہ بھی بڑی خوبصورتی سے اسے چاہت وعزت دے کر کر دیا تھا وہ شاغل حمید کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کر رہی تھی اور وہ خود رمشہ کے ساتھ میں مطمئن تھے کہ بے اعتباری کے بادل چھٹ گئے تھے، ہوینا کو شاغل ''سید ہاؤس'' میں اسی حق و مان کے ساتھ لے کر آتا تھا جیسے کوئی بھی بہن، بیٹی اپنے میکے جاتی ہے اور رمشہ نے اپنی محبت اور توجہ سے ان کی ہر تکلیف کا نہ صرف ازالہ کیا تھا انہیں آسودہ زندگی کے سارے رنگوں سے متعارف کروا دیا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے سے بات کرتے، ایک دوسرے کو حق و مان سے چھیڑتے رشتوں کے احساس کو جی رہے تھے کہ بے اعتباری کے بادلوں کے چھٹنے سے اچھائی وصاف نیت اور اللہ پر کامل یقین کی جیت ہوگئی تھی کہ ایمان کی کبھی ہار نہیں ہوئی۔

☆☆☆